جس کا کردار بلند اس کا ہے رتبہ بھی بلند
حسنِ ظاہر کی نزاکت نہیں دیکھی جاتی

یوسف الدین یوسف

Acc NO
805

پیکرِ کردار

مکان نمبر 9-4-61/A/77/1 معراج کالونی ٹولی
چوکی حیدرآباد 500 008

114
3-2001

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

Acc. No. 805

نام کتاب : پیکر کردار

اشاعت : پہلی بار

تعداد : ۵۰۰

سنہ اشاعت : مئی ۲۰۰۱ء

کتابت : اطیب اعجاز

عدیل کمپیوٹر گرافکس، جمال مارکٹ چھتہ بازار، حیدر آباد

یہ کتاب اردو اکیڈیمی اندھرا پردیش کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوئی

قیمت (100) روپیئے

ملنے کے پتے:

مکان نمبر 9-4-61/A/77/1 معراج کالونی ٹولی چوکی

حیدر آباد 500 008

فون نمبر 3564658 - 3562208

☆اقبال بک ڈپو، ناملی درگاہ یوسفین روڈ حیدر آباد۔

☆حسامی بک ڈپو مچھلی کمان حیدر آباد

انتساب

میں اپنے اس مجموعہ کلام ''پیکرِ کردار'' کو اپنی والدہ محترمہ افسر النساء بیگم زوجہ مرحوم نواب فرید الدین جاگیردار (جنھوں نے میری تعلیم و تربیت پر توجہ خاص فرمائی اور مجھے اس قابل بنایا کہ میں اپنے جذبات و احساسات کو ''پیکرِ کردار'' کی شکل دے سکوں)

اور

اپنی شریک حیات شکیلہ یوسف (جس نے ازدواجی زندگی کے ساتھ میری اپنی ادبی زندگی میں بھی قدم بہ قدم میرا ساتھ دیا) کے نام معنون کرتا ہوں۔

یوسف الدین یوسف

یک تاثر

شاعری میں غزل کی روایت جسقدر
مقبول اور پسندیدہ ہے وہ کسی سے پوشیدہ
نہیں' آغاز سے آج تک غزل دراصل
اپنی ہیئتی ترکیب یا نوعیت میں انوکھی' دلچسپ
ہی نہیں بلکہ' رنگینی حسن و موسقیت سے مملو
ہے' اسکی ریزہ کاری' منتشر الخیالی جہاں شاعر کے
خیالات' جذبات احساسات کی ترجمان ہے وہیں
وہ سامع یا قاری کے لئے تسکین و آسودگی کا
باعث ہے گویا غزل انسانی حیات کی رعنائیوں کی
غماز' اسکی شارح کی حیثیت رکھتی ہے اسلئے ہر دور
ہر زمانے میں معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والے بھی
غزل کی اہمیت سے واقف ہیں چنانچہ اگر شاعر فکر
وخیال' احساس وادراک شعر گوئی کے سلسلے میں
دیگر اصناف شاعری کی بہ نسبت غزل گوئی کی'
جانب توجہ کرتے ہیں' بادی النظر میں یہ معاملہ
سہل سمجھ میں آتا ہے لیکن غزل کا کہنا اتنا آسان

نہیں۔!!

زیر نظر شعری مجموعہ "پیکر کردار"

محض غزلوں ہی پر مشتمل ایک ایسا انتخاب ہے جسکے شاعر جناب یوسف الدین یوسف نے زود گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک قلیل عرصہ میں قابل لحاظ غزلیں کہہ ڈالیں' پیشہ کے اعتبار سے انجینیر ہونے کے باوصف انتخاب انکی طبع کی جولانی مزاج کی طرفگی شعر و سخن سے مناسبت غنائی و بربطی کیفیت کا آئینہ دار ہے غزل گوئی کے سلسلے میں انہوں نے اپنے اشہب مشق و مزاولت کو ہمیشہ تیز گام رکھا نیز غزل میں دلکشی' و دلفریبی کی خاطر مختلف "زمینوں" کو اختیار کرنے میں بھی مقبول عامہ کو مطمع نظر رکھا جبکہ انتخاب کی بیشتر غزلیں "طرحی مشاعروں" کی دین ہے۔

جناب یوسف الدین یوسف شعر کہنے کے سلیقے کے ساتھ ساتھ اُسکی پیشکشی کا بھی ہنر جانتے ہیں یعنی اپنی خوش گلوئی سے وہ محافل میں ایک سماں باندھ دیتے ہیں' یوسف

صاحب کا سیدھا سادہ سا اندازِ بیان شعری لطافتوں، صداقتوں کے علاوہ، عصر رواں میں رونما ہونے والے واقعات کا عکاس بن جاتا ہے اور شاید یہی ان کے کلام کی خوبی بھی ہے یہ انتخاب اُنکا نقش اولین ہے مجھے یقین ہیکہ مستقبل میں وہ اس سے بھی اچھا کہیںگے اِنکی اِس کامیاب مساعی پر اُنہیں دلی مبارک دیتا ہوں اور اپنی گفتگو انکے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

یہ میرے دل کا حوصلہ ہے میری بات ہے
جینا کوئی مذاق ہے زندہ دلی کے ساتھ

فقط

ایس. ایچ. عقیل ہاشمی

"پیکر کردار"

کی شاعری ایک جائزہ

حیدرآباد شعر و ادب کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں اس کی ابتدا سے آج تک شاعروں اور ادیبوں کی بھیڑ رہی ہے۔ شاعروں کی اور ادیبوں کی اس بھیڑ میں نئی نسل کے کسی شاعر یا ادیب کے لئے اپنی شناخت یا اپنی پہچان بنا لینا بہت ہی مشکل ہے۔ لیکن نوجوان شاعر یوسف الدین یوسف واقعی قابل ستائش ہیں کہ وہ نہایت ہی قلیل عرصے میں حیدرآباد کے شعری حلقوں میں اپنی شناخت اپنی پہچان بنانے میں قدرے کامیاب نظر آتے ہیں۔

حیدرآباد کے شعری ماحول میں بیسویں صدی کے آخری دہے کے اولین سالوں میں ایک نئی آواز اپنا ہلکا پھلکا مگر میٹھا ترنم لئے مختلف ادبی تقاریب اور محافلِ شعر میں اہل ذوق و ادب کو اپنی جانب متوجہ کرنے لگی۔ یہ آواز اسی نئی نسل کے شاعر یوسف الدین یوسف کی ہے جنھوں نے 1990-91 میں شعر گوئی کو اپنی تسکین ذوق کا

ساماں بنالیا تھا۔ یوسف الدین یوسفؔ یوں تو حمد' نعت' سلام' منقبت اور دیگر اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں۔ لیکن ان کے زیر نظر مجموعہ کلام ''پیکر کردار'' سے یہ بات صاف کھلتی ہے کہ انہیں غزل گوئی سے بڑا لگاؤ ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں دس گیارہ سال کے قلیل عرصے میں اتنی ڈھیر ساری غزلیں جمع ہوگئیں جنہیں وہ ایک اشاعتی پیکر دے کر ''پیکر کردار'' کے نام سے اردو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کررہے ہیں۔

یوسف الدین یوسفؔ کے ''پیکر کردار'' کی مشمولات کے مطالعہ سے ہر قاری کے ذہن میں یہ تاثر ضرور ابھرتا ہے کہ یوسف الدین یوسفؔ کی چاہے حمد ہو کہ نعتؐ چاہے سلام ہو کہ منقبت؛ نظم ہو کہ غزل ان کی ہر شعری تخلیق سادگی و پرکاری کا اچھا نمونہ پیش کرتی ہے۔ سب سے پہلے ان کے چند حمدیہ' نعتیہ' اور منقبتی اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

میرے انفاس کا رابطہ تجھ سے ہے
دل کی دھڑکن کا یہ بولنا تجھ سے ہے

مالکِ بحر و بر خالقِ جزو کل
ابتدا تجھ سے ہے انتہا تجھ سے ہے
(حمد باری تعالی)

دل جو خالی ہے عشقِ احمدؐ سے
اُس کا جینا بھی کوئی جینا ہے
میرا مقصود اور مری۔۔۔ منزل
میرے آقاؐ ہی کا مدینہ ہے
(نعت پاک)

لاکھوں یوسف ہیں فدا آپ کے رخ پر.. آقاؐ
آپ کا حسن میں خوابوں میں سراپا دیکھوں
حشر کے روز سوا نیزے پہ ہوگا... سورج
اپنے سر پر میں مگر آپؐ کا سایہ دیکھوں
(نعت شریف)

سائے میں خنجروں کے بھی جس نے پڑھی نماز
کچھ ایسے حق پرست ہمارے حسینؓ ہیں
خون میں ڈوب گئی تھی جو زمینِ.. کربل
خون ارزاں تھا وہاں اور تھا مہنگا پانی
کہا اللہ والوں سے یہی اللہ والوں نے
ولایت کا خزینہ ہے ولایت غوثِؒ آعظم کی
(منقبت)

کلام میں سادگی اور سلاست کی مذکورہ بالا خوبی یوسف الدین یوسفؔ کی غزل میں بھی ملتی ہے۔ سادگی شعر کی وہ خوبی ہے جس کے ذریعہ مطلب یوں ادا کیا جاتا ہے کہ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ شعر پڑھتے ہی بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے۔ شعر کی سادگی کا انحصار اس امر کو محیط ہے کہ اس میں مشکل الفاظ کے استعمال سے احتراز کرتے ہوئے صرف ایسے عام فہم اور آسان الفاظ استعمال کیئے جائیں جن سے زبان مانوس اور کان آشنا ہوں۔ کلام کی یہ خوبی سلاست کہلاتی ہے۔ مشکل سے مشکل اور نازک مضمون کو آسان لفظوں میں ادا کرنا سب کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ شعری نعمت سب کے حصہ میں نہیں آتی۔ یوسف الدین یوسف واقعی خوش قسمت ہیں کہ یہ شعری نعمت انہیں اپنے شعری سفر کے آغاز پر ہی نصیب ہوئی ہے "پیکر کردار" کی غزلوں سے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔؎

حق ہی بولیں گے حق کے متوالے
سر قلم ہو کہ ہاتھ کٹ جائے

روح کا رشتہ ہے جیسا جسم سے
ویسا تم سے دوستانہ چاہئے
مفلسی میں یہ زندگی یوسف
اک مسلسل عذاب جیسی ہے
دیکھ کر جلتی ہوئی یہ بستیاں
روشنی کے نام سے ڈرنے لگے
بنا ہوں اجنبی اپنے ہی گھر میں
مجھے اب پوچھتا کوئی نہیں ہے

یوسف الدین یوسف نے اپنی غزلوں میں سادگی اور سلاست کا اہتمام خاص تو رکھا ہی ہے۔ لیکن ان غزلوں میں جگہ جگہ محاوروں ، ضرب المثلوں ، استعارات ، اور تشبیہات کا استعمال بھی خوب ہے۔ یہ اشعار دیکھئے گا۔ ؎

موج میں ڈوبا سارا سمندر اور میں ساحل پر تنہا
جیسے ریت کے صحرا میں ہو مفلس کا اک گھر تنہا
یوسف میاں نہ کیجئے ہوشِ انا کی بات
یہ بے ثبات زندگی مثلِ حباب ہے
زر زن زمین ہی تو سبب ہیں فساد کا
جو شہر میں ہوا وہ تماشا نیا نہ تھا

جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہیکہ یوسف الدین

یوسفؔ ایک مترنم شاعر ہیں۔ وہ اپنی غزلوں کو اپنے مخصوص ہلکے پھلکے مگر میٹھے اور دل کو موہ لینے والے انداز میں سنا کر سامعین سے خوب داد حاصل کرتے ہیں۔ غزل اپنی غنائی خصوصیت کے باعث بھی مقبول و مشہور ہوئی ہے۔ مومن نے غزل خوانی اور نغمہ سنجی کو ہم معنی بتایا ہے۔ مولانا صفی کا شعر ملاحظہ فرمایئے۔

ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا
غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا

غزل میں ہر عمدہ شعر میں ایک عنصر ایسا ہوتا ہے جو معنی سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس سے جو مسرت یا تاثر حاصل ہوتا ہے اس کی نوعیت وہی ہوتی ہے جو نغمہ اور موسیقی سے حاصل ہوتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالاحد خان خلیل لکھتے ہیں ”غزل اور موسیقی کا کچھ ایسا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا موسیقی غزل کے تاثر کو چار چاند لگادیتی ہے۔ ڈاکٹر عقیل ہاشمی سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی نے ”پیکر کردار“ کی غزلوں پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے بجا فرمایا ہے یہ ”پیکر کردار“ کی

غزلوں کا انتخاب ان (یوسف الدین یوسفؔ) کی طبع کی جولانی، مزاج کی طرفگی، شعر و سخن سے مناسبت، غنائی و بربطی کیفیت کا آئینہ دار ہے۔ جناب یوسف الدین یوسفؔ شعر کہنے کے سلیقے کے ساتھ ساتھ اس کی پیشکشی کا ہنر بھی جانتے ہیں۔ یعنی اپنی خوش گلوئی سے وہ محافل میں ایک سماں باندھ دیتے ہیں۔

آیئے میں "پیکر کردار" کی ورق گردانی کرتے ہوئے آپ کو پھر ایک بار یاد دلادوں کہ یوسف الدین یوسفؔ غزل اور صرف غزل کے شاعر ہیں۔ غزل اردو شاعی کی مقبول ترین صنف ہے۔ اس کی عمر بھی اردو شاعری کی عمر ہی کی اتنی ہے۔ جب سے آج تک وہ جاری و ساری ہے۔ اردو شاعری میں کئی اصناف آئیں اور ختم بھی ہوئیں مگر غزل ہے کہ اسکا جادو آج بھی سر چڑھ کر بول رہا ہے ۔ غزل ہر دور میں اس کا ساتھ دیتی آئی ہے اور دیتی رہے گی۔ اس نے ہر دور کی تبدیلیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے۔ موضوعات کے اعتبار سے اس کا کینوس اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ اس میں سیاسی، سماجی، تاریخی، تہذیبی، ثقافتی، سائنسی اور ہر قسم

کے علم کے موضوع کو بہ آسانی پینٹ کیا جا سکتا ہے
۔ اردو غزل اب ہند و پاک کی سرحدوں کو توڑ کر
اردو کی نئی بستیوں میں اپنا جادو جگا رہی ہے۔ آج بین
الاقوامی زبانوں میں اردو زبان کو جو تیسرا نمبر ملا ہے
وہ صحیح معنوں میں اردو غزل ہی کا ایک کرشمہ ہے۔

یوسف الدین یوسفؔ کی غزل میں
روایات کی پاسداری بھی ہے اور فکر و خیال کی
جدت بھی۔ ان کی غزلوں میں خارجی اور داخلی
کیفیات کے ملے جلے پیکر ملتے ہیں ''پیکر کردار'' کی
غزلیں اپنے دامن میں غمِ جاناں کے ساتھ غمِ
جہاں کے جوہر بھی سمیٹے ہوئی ہیں۔ یوسف الدین
یوسفؔ کسی بند کمرے کے شاعر نہیں ہیں۔ وہ
کمرے سے باہر کے حالات اور اپنے گرد و پیش میں
وقوع پذیر ہونے والے حادثات کا بھی بھر پور
جائزہ لیتے ہیں۔ چند اشعار دیکھئے۔

اُن کی آنکھوں کے مقابل جامِ جم کیا چیز ہے
بن پیئے یوسفؔ ہماری مئے کشی ہونے.. لگی

نشۂ عشق میں ہم ان کو خدا بول... اٹھے
جب نشہ اترا تو سوچا کہ یہ کیا بول اٹھے

فدا ہوتا ہے پروانہ تو ہنس کے شمع کہتی ہے
وہ پروانہ نہیں ہے جس کو جل جانا نہیں آتا

جلتا ہے بدن میرا اب ہجر کی راتوں میں
راحت کے لئے اپنے دامن کی ہوا دینا

بس ایک وصل کی امید پر تڑپتا رہا
یہ تم نے کیا کیا یوسف سدا بھلا کے مجھے

پُر کیف زندگی کو بنانا کمال ہے
طوفانِ غم کو دل میں چھپانا کمال ہے

غمِ دوراں سے میں نہیں خائف
میری دنیا جواں تمہی سے ہے

تمام عمر گذاری ہے جستجو میں مگر
نہ بن سکا ہے ابھی تک مکان تھوڑا سا

ہجر کا اک اک لمحہ یارو روزِ قیامت جیسا ہے
ساری رات میں تنہائی کا زہر پیا اکثر تنہا

اسے انسان کہتے ہو ذرا سوچو کبھی جس کو
کسی کے غم میں شامل ہو کے غم کھانا نہیں آتا

روٹیاں نہیں گھر میں میں کھنڈر میں رہتا ہوں

گر نہیں یقیں تجھ کو دیکھ لے ذرا جا کر

وہ آج بھوکا ہے ننگا ہے اور مفلس ہے

یہ حال آج بچارے ہر اک کسان کا ہے

جن کے گھر چولہے بھی مشکل سے جلا کرتے ہیں

یہ وہی لوگ ہیں جو سب سے وفا کرتے ہیں

خونِ آدم لے رہا ہے انتقام

اب بموں کے درمیاں ہے زندگی

دیکھ کر انسانیت کا قتلِ عام

آج پھر ماتم کُناں ہے زندگی

یوسف الدین یوسفؔ کے مجموعہ کلام "پیکر کردار" کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ موصوف اپنے کلام کو کسی ازم 'یا رجحان یا رویہ کے زیر اثر رکھنا نہیں چاہتے۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ ان کے کلام میں روایت 'ترقی پسندی اور جدیدیت کے نمونے جہاں تہاں مل جاتے ہیں۔ "پیکر کردار" میں روایت اور ترقی پسند تحریر کے نمونے

تو ہم بالا سطور میں دیکھ چکے ہیں۔ لیجئے اب ملاحظہ فرمائیے گا یوسف الدین یوسف کے وہ اشعار جن میں انہوں نے جدید غزل کی چند علامات اور اصطلاحات کو اچھی طرح برتا ہے۔

پت جھڑ کے موسم کی صورت دوست ہوئے ہیں لیکن میں
تپتے صحرا میں جیسے ہو سایہ دار شجر تنہا

میں ان کے واسطے دامن میں پھول لایا ہوں
وہ میرے واسطے پتھر تلاش کرتے ہیں

اونچے محلوں میں سکوں نام کی کچھ شے ہی نہیں
لاکھ درجے میاں بہتر ہے یہ چھپّر اپنا

اے دوست کیسے ہوگا ذرا مندمل بتا
یہ گھاؤ ہے زبان کا ' خنجر کا نہیں ہے

اک مری پرچھائیں تھی دہلیز پر کوئی نہ تھا
سوچ کر تنہائی میری آج کیا رونے لگی

میں نے انا کے پیڑ کو جڑ سے مٹا دیا
ہر کوئی میرا شیدا ہے ہر کوئی یار ہے

سینے کا درد چہرے سے ظاہر نہ ہو سکا
صدمے ہزار سہہ کے بھی ہم مسکرائے ہیں

غزل کے جدید رویہ میں انگریزی الفاظ کے استعمال کو بھی اہمیتِ خاص دی جاتی ہے۔

یوسف الدین یوسف کا یہ شعر دیکھئے۔

ذہن کو ہمارے اب میوزیم میں رکھ دیجے
سورجوں میں گرما کر چاندنی میں چمکا کر

بہر حال یوسف الدین یوسف حیدر آباد کی نئی نسل کے شعراء میں اپنی شناخت بنانے میں سر گرم عمل ہیں۔ اُمید کہ ان کے اولین مجموعہ کلام ''پیکرِ کردار'' کو شعری و ادبی حلقوں میں پزیرائی حاصل ہو گی۔

شاغل ادیب ایم' اے
جنرل سکریٹری نیرنگ ادب'
مکان نمبر :1-4-304/9/3
زیب منزل' صدیق نگر'
مشیر آباد' حیدر آباد۔500 048

کچھ اپنے بارے میں

میرا پیدائشی نام محمد یوسف الدین ہے۔ تخلص یوسفؔ کرتا ہوں۔ اور ادبی حلقوں میں یوسف الدین یوسفؔ کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہوں۔ میں نے اپنی تعلیم اُردو میڈیم سے حاصل کی ہے اور میں انوار لعلوم ملٹی پرپز ہائی اسکول کا ذہین طالب علم رہ چکا ہوں۔ مجھے ہائی اسکول کے کئی مقابلوں میں انعامات بھی مل چکے ہیں۔ اور ان میں تقریری مقابلے میں مجھے دو مرتبہ شیلڈ سے نوازا گیا تھا۔ وہ میرے لئے باعث صد افتخار ہے۔ میں اپنے ہائی اسکول کے سالانہ میگزین کا مدیر بھی رہ چکا ہوں۔ میں کالج کے بھی مختلف کلچرل پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا رہا ہوں۔ اور تقریباً دو سال مجھے اپنے کالج کا کلچرل سکریٹری رہنے کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔ اپنی نصابی اور تدریسی تعلیم کی

تکمیل کے بعد میں نے جواہر لال نہرو پالی ٹیکنک راننتاپور سے L.M.E کا امتحان کامیاب کیا۔ اور اب H.A.L میں چیف سوپروائیزر کی خدمات انجام دے رہا ہوں۔

مجھے شعر و شاعری سے لگاؤ طالب علمی ہی سے رہا ہے۔ لیکن میں نے اپنی شاعری کی شروعات L.M.E کی تکمیل اور H.L.A میں ملازمت کی تحصیل کے بعد ہی کی۔ میرے شعری سفر کا آغاز 1990 سے ہوا۔ اب میں شعری و ادبی خدمات کو اپنا روزمرہ بنائے ہوئے ہوں۔ میں تخلیقی سرگرمیوں کے ساتھ شہر حیدرآباد کے مختلف ادبی اداروں (۱) میرا شہر میرے لوگ (۲) ایوان شیخ اور (۳) سوغات نظر کے علاوہ کئی اور ادبی اداروں سے بھی منسوب ہوں۔ مجھے اس بات کا بھی اندازہ ہے کہ شہر حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے یہ منفرد ادبی ادارے صرف ادبی اجلاس و مشاعرے ہی منعقد نہیں کرتے بلکہ اُردو زبان و ادب کی بقا و ارتقا کے

لئے تعمیری خدمات بھی انجام دیتے ہیں۔
.......میں گلشن اُردو (حیدر آباد کا بانی صدر
ہوں۔ اور کہکشاں کلچرل اسوسی ایشن جو نیم
ادبی نیم تہذیبی خدمات انجام دیتا ہے' کے بھی
صدراتی فرائض انجام دے رہا ہوں اپنے
شعری سفر میں 'میں یوں تو
نظم 'حمد' نعت' منقبت' اور سلام وغیرہ اصناف
سخن کی جانب بھی متوجہ رہا ہوں۔ لیکن میرا اپنا
بھی تخلیقی رحجان غزل گوئی سے شدت سے جڑا
ہوا ہے۔ میرے اپنے مجموعہ کلام "پیکر
کردار" میں آپ کو غزلیں ہی غزلیں ملیں
گی۔ میں نے غزلیں تفریح طبع کے لئے نہیں
کہیں بلکہ اپنی غزلوں میں اصلاح معاشرہ کا کار
نیک انجام دینا چاہتا ہوں۔ اپنی غزلوں میں
میں فطری طور پر انسان کو اپنے کردار کی بلندی اور
اپنے اخلاق کی عظمت کی جانب رواں دواں رہنے کا پیام دیتا
ہوں۔ ؎

دور ہی رکھنا زمانے کی ہوا سے خود کو
اپنے کردار کو آئینہ بنائے رکھنا

مجھے حیدر آباد کے کہنہ مشق شاعر حضرت نصیر بیابانی سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ موصوف سراپا خلوص اور مجسم محبت شخصیت کے حامل ہیں۔ کلام میں اصلاح کے ساتھ ساتھ مشفقانہ مشوروں سے بھی نوازتے ہیں۔ شعر و ادب میں بالکل مختصر سی مدت میں میں نے جو ترقی حاصل کی ہے یہ انہیں کے مشفقانہ مشوروں کی مرھون منت ہے۔ میں دل کی گہرائیوں سے دعا گوں ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے استاد محترم کی عمر دراز فرمائے اور مجھے ان سے فیض حاصل کرنے کا موقعہ عطا فرمائے۔

میں ممتاز معلم شاعر و ادیب ڈاکٹر عقیل ہاشمی صاحب سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ انھوں نے میری خواہش پر "پیکر کردار" کے مطالعہ

کی زحمت فرمائی اور اس پر اپنے گراں قدر تاثرات سے نوازا۔

میں آندھرا پردیش اردو اکاڈمی حیدرآباد کے صدر نشین عالیجناب سید شاہ نورالحق قادری صاحب کا بھی سپاس گزار ہوں کہ موصوف نے "پیکر کردار" کی اشاعت کیلئے اکاڈمی کی جزوی مالی امداد سے مجھے نوازا۔

میرے اولین مجموعہ کلام "پیکر کردار" کو جو پیکر اشاعت نصیب ہوا ہے وہ محض ارباب اردو اکیڈمی آندھرا پردیش کی عنایت و نوازش کا خوش انجام ہے۔

میں ممتاز شاعر و ادیب جناب شاغل ادیب ایم۔اے کا بھی بہ ضمیم قلب شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی مختلف النوع ادبی مصروفیات کے باوجود "پیکر کردار" پر گراں قدر مضمون تحریر فرمایا۔ اور میں مخلص و ممتاز شاعر جناب اطیبؔ اعجاز کا بھی ممنون و مشکور ہوں۔

حمد باری تعالیٰ

ہر شئے میں مجھکو تیرا جلوہ نظر آتا ہے
جھکتا ہے سر جہاں بھی کعبہ نظر آتا ہے

کلیوں کو بخشی رونق پھولوں کو تازگی دی
تیرا نظام سارا پیارا نظر آتا ہے

ہر شئے میں سر بسر ہے تیرا ہی نور یارب
ہر شئے میں تو ہی تو ہے ایسا نظر آتا ہے

تاریکیوں میں تو نے چیونٹی کو رزق بخشا
فکرِ معاش کرنا بے جا نظر آتا ہے

ہر حال ہی میں خوش ہیں تیری رضا پہ مالک
رحمت کا عاصیوں پر سایہ نظر آتا ہے

ظالم کا ظلم اب تو زیادہ نہیں چلے گا
ٹوٹا ہوا اب اُن کا قصہ نظر آتا ہے

نظرِ کرم پہ تیری اب جی رہا ہے یوسف
مجھکو تو بخش دے گا ایسا نظر آتا ہے

حمد باری تعالیٰ

مہر و ماہ کہکشاں میں ضیاء تجھ سے ہے
یعنی دن رات کا سلسلہ تجھ سے ہے

میرے انفاس کا رابطہ تجھ سے ہے
دل کی دھڑکن کا یہ بولنا تجھ سے ہے

کیا کسی اور کا میں قصیدہ پڑھوں
جبکہ وابستہ حمد و ثنا تجھ سے ہے

گُل کی رعنائیاں بزم آرائیاں
ہر چٹکتی کلی کی ادا تجھ سے ہے

مالک بحرِ و بر خالق جُز و کُل
"ابتدا تجھ سے ہے انتہا تجھ سے ہے"

یہ زمیں آسماں جِن وانس و ملک
انکی رونق اور اِن میں ضیاء تجھ سے ہے

کردے یوسفؔ پہ بھی خاص لطف و کرم
اور بخشش کا بس مُدعا تجھ سے ہے

نعت پاک

نور ایماں سے پُر یہ سینہ ہے
دل نشین اب شہرِ مدینہ ہے

جن کا سایہ نہ کوئی دیکھ سکا
اُن ؐ کے سائے میں ہم کو جینا ہے

جسکی خوشبو سے دل معطر ہوں
میرے آقاؐ کا وہ پسینہ ہے

کوئی کیا جانے عظمتِ طیبہ
مجھ سے پوچھو کہ کیا مدینہ ہے

دل جو خالی ہے عشقِ احمدؐ سے
اُسکا جینا بھی کوئی جینا ہے؟

میرا مقصود اور مری منزل
میرے آقاؐ ہی کا مدینہ ہے

ظلمتیں ساری چھٹ گئیں یوسفؔ
اُنؐ کی آمد کا یہ مہینہ ہے

نعت شریف

جب شہہ دیں کی بات ہوتی ہے
سب غموں سے نجات ہوتی ہے

عرشِ اعظم پہ بھی شبِ اسریٰ
ہم غلاموں کی بات ہوتی ہے

ذکرِ آقاؐ میں جو بھی کٹ جائے
کیا مبارک وہ رات ہوتی ہے

موت آئے جو عشقِ احمدؐ میں
موت وہ بھی حیات ہوتی ہے

اُنؐ کے کوچہ میں جو بھی رہتا ہے
اُسکا دن اُسکی رات ہوتی ہے

روزِ محشر اُنہی کے صدقے میں
عاصیوں کی نجات ہوتی ہے

ذکر آقاؐ کا جب بھی ہو یوسفؔ
وجد میں کائنات ہوتی ہے

نعت شریف

ہند آنکھوں سے بھی چاہوں تو مدینہ دیکھوں
اور میں چاروں طرف گنبد خضرا دیکھوں

لب پہ رہتا ہے مرے نام اُنہی کا ہر دم
ذرہ ذرہ میں فقط اُنؐ کا ہی جلوہ دیکھوں

حشر کے روز سوا نیزے پہ ہوگا سورج
اپنے سر پر میں مگر آپؐ کا سایہ دیکھوں

یہ تمنا ہے کہ میں سیر مدینے کی کروں
اُنؐ کی گلیوں میں میں جنت کا نظارا دیکھوں

فکر اب مجھکو نہیں سود وزیاں کی صاحب
عمر بھر اُنؐ کی غلامی میں نہ گھاٹا دیکھوں

لاکھوں یوسفؔ ہیں فدا آپ کے رُخ پر آقاؐ
آپؐ کا حُسن میں خوابوں میں سراپا دیکھوں

نعت شریف

اُنؐ کے دربار کا ادنیٰ سا گدا ہونا ہے
مجھکو خاکِ درِ محبوبِ خُدا ہونا ہے

زینتِ عرشِ بریں ہیں مرے آقاؐ کے قدم
اب جبیں کو بھی مری عرش رَسا ہونا ہے

جو بھی ملنا ہے ملیگا تمھیں طیبہ کی قسم
دستِ احمدؐ ہی سے سب کچھ تو عطا ہونا ہے

آؤ بیمار و چلیں شہرِ مدینہ کی طرف
چوم لو خاکِ مدینہ جو شفا ہونا ہے

میرے آقاؐ کی جو مرضی ہے خدا کی مرضی
اب مری زیست کو راضی بہ رضا ہونا ہے

اک اشارے پہ لٹا دیتے تھے اسلاف سبھی
آج ہم سب کو بھی پابندِ وفا ہونا ہے

دین و دُنیا کی امیری بھی میلگی یوسفؔ
اُنؐ کے الطاف و کرم جود و سخا ہونا ہے

نعت شریف

اللہ کا فیضان ہے فیضانِ محمدؐ
کونین کا عرفان ہے عرفانِ محمدؐ

دنیا سے نرالے ہیں غلامانِ محمدؐ
چھوڑے ہیں نہ چھوڑینگے یہ دامانِ محمدؐ

گستاخِ نبیؐ جتنے ہیں دوزخ کے لئے ہیں
جنت میں تو جائینگے ثنا خوانِ محمدؐ

ملنے سے محمدؐ کے ہی اللہ ملا ہے
یہ کتنا بڑا ہم پہ ہے احسانِ محمدؐ

حق اپنی غلامی کا ادا ہو نہیں سکتا
ہو جائے اگر جان بھی قربانِ محمدؐ

عشق شہہ والا میں فنا ہونا پڑے گا
آسان نہیں دوستو عرفانِ محمدؐ

کیا چھوٹا بڑا ادنیٰ و اعلیٰ رہ حق میں
ہے سب کے لئے کا ایک ہی فرمان محمدؐ

رہتے ہیں فقط عرشِ مُعلّٰی کی فضا میں
کب فرش پہ رہتے ہیں غُلامانِ محمدؐ

کھل جائے اگر آنکھوں کی بینائی تو یوسفؔ
ہر شئے میں نظر آئے نئی شانِ محمدؐ

نعت شریف

سب فضاؤں میں مدینے کی فضا کچھ اور ہے
اُنؐ کے قدموں میں بر ہو تو مزہ کچھ اور ہے

ایک اک لمحہ مرا عشق نبیؐ میں ضم رہے
یا محمدؐ کہتے رہنے کا مزہ کچھ اور ہے

طور پر موسیٰؑ کو بخشی اک تجلی ہی فقط
جو شب اسریٰ ہوئی تھی وہ عطا کچھ اور ہے

ہر کسی کو آرزو تھی اُن کے مہماں آپؐ ہوں
اونٹنی جس جا پہ بیٹھی وہ جگہ کچھ اور ہے

پرتو نور نبیؐ ہے چاند سورج کی ضیاء
یہ ضیا کچھ اور ہے اُنؐ کی ضیاء کچھ اور ہے

بے وسیلہ جو دعائیں ہیں نہیں ہوتیں قبول
گر وسیلے سے جو مانگو تو دُعا کچھ اور ہے

یوں تو گنبدیں ہزاروں دہر میں ہر جا مگر
سبز گنبد کے چمکنے کی ادا کچھ اور ہے

توڑ ڈالے دانت سارے عشق میں سرکارؐ کے
اک قرن کے رہنے والے کی وفا کچھ اور ہے

رشک جنت ہے مدینے کی زمیں یوسفؔ میاں
خلد ہے کچھ اور طیبہ کی فضا کچھ اور ہے

سلام

جانے کس منزل کے تھے وہ پاسبانِ کربلا
ماورائے فہمِ اِنسانی ہے شانِ کربلا

سر کٹا شبیرؓ کا عباسؑ کے شانے کٹے
سُرخ سارا ہوگیا تھا آسمانِ کربلا

قافلے میں حق پرستوں کے ملے حُر اِسلئے
جارہا ہے خُلد کو یہ کاروانِ کربلا

جب زمینِ کربلا تھی خون میں ڈوبی ہوئی
کون تھا اُس وقت کہئے مہربانِ کربلا

پیاس شدت کی مجھے لگتے ہی آنکھیں تر ہوئیں
یاد آتے ہیں مجھے وہ تشنگانِ کربلا

مٹ گیا نام و نشاں باطل کا دُنیا سے مگر
ہیں بہتّر کے بہتّر جاودانِ کربلا

O

دینِ حق کے واسطے شبیرؓ نے سر دیدیا
بھولنا ممکن نہیں ہے داستانِ کربلا

ہے پشیماں غم میں پیاسوں کے وہ دریا آج بھی
رو رہا ہے آج تک سیلِ روانِ کربلا

خون روتی تھیں نگاہیں اور کلیجہ پھٹ پڑا
چاندنی مدھم تھی چپ تھے کہکشانِ کربلا

کربلا کی شان و شوکت کہہ رہی ہے آج بھی
حق پرستوں کی عطا کردہ ہے شانِ کربلا

بہہ گئے ہیں اشک کے دریا کے دریا آج تک
جب بھی ہوتا ہے جہاں میں وہ بیانِ کربلا

سر کو سجدے میں کٹا کر منزلِ حق پائی ہے
ہے کٹھن کتنا یہ یوسفؔ امتحانِ کربلا

سلام

حضرت علیؓ کے راج دُلارے حُسینؓ ہیں
اور فاطمہؓ کی آنکھ کے تارے حُسینؓ ہیں

سائے میں خنجروں کے بھی جس نے پڑھی نماز
کچھ ایسے حق پرست ہمارے حُسینؓ ہیں

نورِ نظر ہیں سرورِ عالمؐ کے آپؓ ہی
حیدرؓ کو اپنی جان سے پیارے حُسینؓ ہیں

باطل کی ظلمتوں میں کیا کس نے روشنی
وہ فاطمہؓ کے لال ہمارے حسینؓ ہیں

حق کی ڈگر پہ مشکلیں آئیں گی بے حساب
اب مشکلوں میں اپنے سہارے حسینؓ ہیں

اپنے لہو سے سینچ کے اسلام کا چمن
گلزار کرنے والے ہمارے حُسینؓ ہیں

محشر کی فکر کس لئے یوسفؔ رہے ہمیں
جب اپنی عافیت کو ہمارے حسینؓ ہیں

سلام

مسکرا کر علی اصغر نے جو مانگا پانی
آنکھ میں شرم سے دریا کی بھر آیا پانی

آسماں رونے لگا اور لرز اٹھی زمیں
غم میں پیاسوں کے اُبلنے لگا سارا پانی

دیکھ کر تشنہ لبی حق کے پرستاروں کی
ڈوب کر غم میں سسکنے لگا سارا پانی

خون میں ڈوب گئی تھی جو زمینِ کربل
خون ارزاں تھا وہاں اور تھا مہنگا پانی

یاد میں اُنؑ کی یہ اشک اگر مل جائیں
سارے دریاؤں کا ہوجائے گا کھارا پانی

پیاسے اصغر کے گلے میں جو لگا تیر آکر
تشنگی اُن کی بجھانے کو بھی ترسا پانی

یاد جب آتی ہے وہ شامِ غریباں یوسفؔ
دل کو تڑپاتا ہے ہر آنکھ سے بہتا پانی

منقبت

کہے گا کیا کوئی شانِ ولایت غوثِ اعظمؒ کی
کرم در پردہ حق کا ہے کرامت غوثِ اعظمؒ کی

نہ مجھکو خوف مرقد کا نہ مجھکو ڈر ہے محشر کا
رسول اللہ کی نسبت ہے نسبت غوثِ اعظمؒ کی

نہ وہ بخشش کو پائیں گے نہ وہ جنت میں جائینگے
دلوں میں جو بھی رکھتے ہیں عداوت غوثِ اعظمؒ کی

کہا اللہ والوں نے یہی اللہ والوں سے
ولایت کا خزینہ ہے ولایت غوثِ اعظمؒ کی

جہاں والوں کی نظروں میں جو ہوں میں سرخرو یوسفؔ
کرم سرکارؐ کا ہے یہ عنایت غوثِ اعظمؒ کی

غزل

پُرکیف زندگی کو بنانا کمال ہے
طوفانِ غم کو دل میں چھپانا کمال ہے

خود کے لئے تو کوئی بھی کرتا ہے جستجو
اوروں کی زندگی بھی بنانا کمال ہے

نفرت کے بیج بونا تو آسان ہے بہت
اُلفت کی شمع دل میں جلانا کمال ہے

خود غرضیوں کی نذر کئی لوگ ہوگئے
انسانیت کی ریت نبھانا کمال ہے

ہے بجلیوں کی زد میں ہمارا بھی آشیاں
جلنے سے آشیاں کو بچانا کمال ہے

بغض و حسد کی آگ سے یوسفؔ نہ جل سکا
آئینہ اپنے دل کو بنانا کمال ہے

غزل

نظر اُٹھا کے کبھی اُس کو پیار کرتے نہیں
بلا وجہ ہم اُسے شرمسار کرتے نہیں

یہ زندگی یہ حوادث یہ گھومتے چہرے
کبھی کسی کے لئے انتظار کرتے نہیں

پلے بڑھے ہیں جو حالات کے اندھیروں میں
وہ روشنی کو کبھی اختیار کرتے نہیں

جئے جو خود کیلئے اور صرف خود کیلئے
اُسے ہم آدمی ہرگز شمار کرتے نہیں

سماعتوں میں رہا کرتی ہے تری آواز
کسی صدا پہ کبھی اعتبار کرتے نہیں

چمک ہے بجلی سی آنکھوں میں اور شرارت بھی
ہم اسلئے کبھی آنکھوں کو چار کرتے نہیں

بساط کس کی تھی یوسف کے دام لگواتے
ہم اتنا قیمتی سودا اُدھار کرتے نہیں

غزل

بغض و کینہ سے سدا دل کو بچائے رکھنا
پیار کے گیت سدا لب پہ سجائے رکھنا

راہِ اُلفت میں کئی خار کئی رخنے ہیں
عزم اور حوصلہ ہر وقت بڑھائے رکھنا

دور ہی رکھنا زمانے کی ہوا سے خود کو
اپنے کردار کو آئینہ بنائے رکھنا

پھول سے چہرہ پہ مُسکان بڑی اچھی ہے
یہ سماں پیار کا ہر وقت بندھائے رکھنا

دوستی کرنا کوئی کھیل نہیں یوسفؔ
شمع اُلفت کی ہمیشہ ہی جلائے رکھنا

غزل

تمھیں تو مل نہ سکا آسمان تھوڑا سا
اُٹھائے رکھا ہے سر پہ جہان تھوڑا سا

وہ نفسہ نفسی کا عالم ہے ہائے مت پوچھو
مجھے کہیں نہ ملا سائبان تھوڑا سا

ہم اپنے ذہن کے گوشوں میں پیار بھر نہ سکے
رکھا ہے فاصلہ کیوں درمیان تھوڑا سا

میں توڑ سکتا تھا تارے بھی آسمانوں سے
وہ مجھ سے لے نہ سکا امتحان تھوڑا سا

میں منتظر تھا زمانے سے اک نظر کے لئے
وہ مجھ پہ ہونے لگا مہربان تھوڑا سا

تمام عمر گذاری ہے جستجو میں مگر
نہ بن سکا ہے ابھی تک مکان تھوڑا سا

میں کیسے مان لوں سچ اُسکی بات کو یوسفؔ
یقین تھوڑا سا اور ہے گمان تھوڑا سا

غزل

غمِ حیات ملا ہے تو پیار کیوں نہ کریں
محبتوں کا تری اعتبار کیوں نہ کریں

یہ دردِ دل جو ملا ہے تیری محبت میں
تو ہی بتا کہ اِسے اختیار کیوں نہ کریں

نظر میں پھرتی ہے تصویر تیری رہ رہ کر
ترے دیوانے ترا انتظار کیوں نہ کریں

اُسی کے رحم و کرم پر ہے زندگی سب کی
ہم اُس کے واسطے یہ جاں نثار کیوں نہ کریں

جہاں میں پھیل رہی ہے ہوس سے بے چینی
حلال روزی پہ اب انحصار کیوں نہ کریں

نظر سے مجھ کو گرا کے تجھے ملیگا کیا
مری وفائیں تجھے شرمسار کیوں نہ کریں

وہ مجھ سے آنکھ چُراتے ہیں بزم میں یوسفؔ
ہم اُن کو دُشمنِ جاں میں شمار کیوں نہ کریں

غزل

تیری یادوں کو رگ و پے میں بسایا ہم نے
تجھکو پانے کے لئے خود کو بھلایا ہم نے

اچھے ساتھی کی طرح اپنی انا ساتھ رہی
سر کسی غیر کے آگے نہ جھکایا ہم نے

سلسلہ سانس میں رہتا ہے تری خوشبو کا
تجھکو خوابوں میں جو سینے سے لگایا ہم نے

ہوشمندی میں ترا پیار تو ہم پا نہ سکے
خود کو اس واسطے دیوانہ بنایا ہم نے

سرنگوں ہم کبھی باطل کے مقابل نہ ہوئے
دار پر چڑھ گئے اور سر بھی کٹایا ہم نے

جس نے بوئے تھے سدا خار ہمارے حق میں
اسکی دہلیز پہ پھولوں کو سجایا ہم نے

میری بے لوث محبت کا ہے شاہد یوسف
اپنے دشمن سے بھی خود ہاتھ ملایا ہم نے

غزل

موج میں ڈوبا سارا سمندر اور میں ساحل پر تنہا
جیسے ریت کے صحرا میں ہو مفلس کا اک گھر تنہا

چاندنی رات میں چھت پر جاکر دیکھ رہا تھا میں رستہ
پیار کی گرمی مانگ رہا تھا سرد پڑا بستر تنہا

باغ کے دلکش پھول تو میرا ماضی یاد دلاتے ہیں
پُرکھوں کی تنہائی کا غم کاٹ رہا ہے گھر تنہا

ہجر کا اک اک لمحہ یارو روزِ قیامت جیسا ہے
ساری رات میں تنہائی کا زہر پیا اکثر تنہا

شہر ہے سارا جگ مگ جگ مگ تاشے باجے بجتے ہیں
گھور اندھیرے میں ڈوبا ہے مفلس کا اک گھر تنہا

شیش محل کے اندر رہ کر کیسے تم بچ پاؤ گے
ایک دیوانہ ہاتھ میں لے کر پھرتا ہے پتھر تنہا

اک پل کے سکھ کی خاطر کیا کیا ہم کو سہنا ہے
بوجھ اٹھائے کب تک آخر یوسفؔ کا اک سر تنہا

غزل

کچھ ایسے ہیں جنھیں اپنوں کو اپنانا نہیں آتا
مجھے غیروں کو بھی نفرت سے ٹھکرانا نہیں آتا

فدا ہوتا ہے پروانہ تو ہنس کے شمع کہتی ہے
وہ پروانہ نہیں ہے جسکو جل جانا نہیں آتا

بھلانے اپنا غم وہ آج میخانے میں بیٹھا ہے
کسی کے ہاتھ میں یونہی تو پیمانہ نہیں آتا

بھٹکتا اِس لئے ہر وقت ہوں شہر تمنا میں
"مرے گام تمنا کو ٹھہر جانا نہیں آتا"

انا پر اپنی مٹ جانا ہمیں منظور ہے لیکن
کسی کے آگے ہم کو ہاتھ پھیلانا نہیں آتا

اُسے حق گو سمجھتے ہو اُسے کیا واسطہ حق سے
جسے حق کے لئے سولی پہ چڑھ جانا نہیں آتا

ہمارے دستِ شفقت میں نہ پتھر دیجئے یوسفؔ
ہمیں تو پھول بھی دشمن پہ برسانا نہیں آتا

غزل

نشۂ عشق میں ہم اُن کو خدا بول اُٹھے
جب نشہ اُترا تو سوچا کہ یہ کیا بول اُٹھے

سننے والے کی سماعت کا تقاضا ہو اگر
ایک اک ذرہ کی خاموش فضا بول اُٹھے

گر نظاروں کی زباں سمجھو تو پھر ہر ذرہ
کون کس حال میں ہے جلوہ نما بول اُٹھے

یہ تو اچھا ہے کہ چپ چاپ ستم سہتے ہیں
کیا ہو انجام اگر اہلِ وفا بول اُٹھے

ہم کو رسوائی ملی صرف انا کی خاطر
آپ کو کیا ہوا جو آپ انا بول اُٹھے

عنبریں زلف وہ بکھرائے فضا میں شاید
یہ مہک ان کی ہے گلشن کی فضا بول اُٹھے

وصل کی آس میں اک عمر گزاری ہم نے
وقتِ آخر ہے ذرا جلوہ دِکھا بول اُٹھے

دل جلا کریں تجھے روشنی دونگا ہمدم
مت چراغوں کو سرِ شام جلا بول اُٹھے

دوسروں کو جو ہمیشہ ہی بُرا کہتے تھے
آئینہ دیکھ کے وہ خود کو بُرا بول اُٹھے

یہ طریقہ اُنھیں ورثہ میں ملا ہے شاید
ہے خطا خود کی مگر میری خطا بول اُٹھے

شہرتیں پھیل گئیں اُن کی فضا میں یوسفؔ
یوں درو بام بھی سب اُن کا پتہ بول اُٹھے

غزل

تری یاد زندگی ہے ترا درد ہے سہارا
کسی اور کا سہارا مجھے کب ہوا گوارا

ہے نصیب اپنا اپنا کریں کیا گلہ کسی سے
وہ تو ہار کر بھی جیتے میں تو جیت کر بھی ہارا

جو ملے ترا اشارہ میں ستارے توڑ لاؤں
مجھے دیکھ آزما کے کسی وقت بھی خدا را

مری دھڑکنوں میں شامل تری ذات ہو چکی ہے
مجھے ہر گھڑی ہوا ہے ترے حُسن کا نظارا

تری مسکراہٹوں سے کھلے پھول جب چمن کے
تری خوشبوؤں سے مہکا یہ جہانِ دل ہمارا

○

تری بے رُخی سے بڑھکر نہیں کوئی بھی اذیت
تری اک نظر کی خاطر میں لٹا دوں مال سارا

ترے لب پہ آگئی ہے تھی شفق پہ جتنی لالی
تری جھیل جیسی آنکھیں نہیں جسکا ہے کنارا

سرِ بام جب وہ آئے تو سبھی نے چاند سمجھا
یوں زباں سے میری نکلا یہی میرا ہے دُلارا

وہ بھلا نہ پائے تم کو یہ مرا یقیں ہے یوسفؔ
وہ بہا رہے تھے آنسو ہوا ذکر جب تمھارا

غزل

مجھکو ترچھی نظروں سے اسطرح نہ دیکھا کر
پُر سکون موجوں میں کنکری نہ پھینکا کر

دل سے دل ملیں سب کے لوگ پھر قریب آئیں
میں دعائیں مانگو نگا دونوں ہاتھ پھیلا کر

اب خودی سے بڑھ آگے خود میں بھی بلندی ہے
جاں چھڑک نہ غیروں پر پہلے خود کو اپنا کر

روٹیاں نہیں گھر میں میں کھنڈر میں رہتا ہوں
گر یقیں نہیں تجھکو دیکھ لے ذرا جاکر

گرِ ہیں علم و دانش کی کھل رہی ہیں اے ساقی
راز سارے پوشیدہ ہم پہ اب ہوئیدہ کر

ذہن کو ہمارے اب میوزیم میں رکھ دیجے
سورجوں میں گرما کر چاندنی میں چمکا کر

خاموشی سے وہ تیری بدگماں نہ ہو جائے
چپ ہے کس لئے یوسفؔ کچھ نہ کچھ تو بولا کر

غزل

زخموں کے لئے کوئی مرہم نہ دوا دینا
کافی ہے ترا مجھکو بس دل سے دُعا دینا

آنگن میں مرے جس دن وہ چاند اُتر آئے
پھولوں کی جگہ اپنی پلکوں کو بچھا دینا

جلتا ہے بدن میرا اب ہجر کی راتوں میں
راحت کے لئے اپنے دامن کی ہوا دینا

دل اپنا ذرا پہلے آئینہ تو بن جائے
پھر آپ زمانے کو آئینہ دکھا دینا

یہ پیار عبادت ہے یہ پیار ہی دولت ہے
اس پیار کے بدلے میں ہستی ہی مٹا دینا

مٹی کے گھروندوں میں ہم خوش ہیں بہت یوسف
آرام سے جینے کی بس ہم کو دُعا دینا

غزل

کئے پہ اپنے ہی پچھتاؤ گے مٹا کے مجھے
"تمام شہر جلاؤ گے کیا جلا کے مجھے"

مری حیات کا مقصد ہے میری خود داری
کوئی خرید نہ پائیگا زر دکھا کے مجھے

وہ طوطا چشم تو میری سمجھ سے باہر ہے
وہ مجھ سے آنکھ چُراتا ہے کیوں بُلا کے مجھے

ہوں خود ہی میں بھی ستایا ہوا زمانے کا
سکوں سے وہ بھی نہ رہ پائیگا ستا کے مجھے

وہ جس کے واسطے میں جاں نثار کرتا ہوں
وہ آج خود ہی پشیماں ہے آزما کے مجھے

عجیب بات ہے اس نے بھی مجھکو دیکھ لیا
وہ شرمسار ہے اب آئینہ دکھا کے مجھے

بس ایک وصل کی اُمید پر تڑپتا رہا
یہ تم نے کیا کیا یوسف سدا بُھلا کے مجھے

غزل

جن کے گھر چولہے بھی مشکل سے جلا کرتے ہیں
یہ وہی لوگ ہیں جو سب سے وفا کرتے ہیں

ایک وہ ہیں کہ بنے جاتے ہیں دشمن میرے
ہم تو دشمن سے بھی ہنس ہنس کے ملا کرتے ہیں

کیا جلائیں گے وہ احساس کی شمع دل میں
بے حسی میں جو ہمیشہ ہی رہا کرتے ہیں

حق پرستوں کے مقابل کوئی ٹکتا ہی نہیں
وہ سرِ دار بھی حق بات کیا کرتے ہیں

وہ وضعدار ہیں خود دار ہیں مانیں کیسے
آئینہ خانے میں جو لوگ رہا کرتے ہیں

کیوں سرِ شام بجھا ڈالی ہیں شمعیں یوسفؔ
کس کی فرقت کے دیئے دل میں جلا کرتے ہیں

غزل

شبنم و گُل کا بیاں ہے زندگی
ایک درد بیکراں ہے زندگی

میں زمیں تو آسماں ہے زندگی
میں یقیں ہوں تو گماں ہے زندگی

کوئی رستہ ہے نہ منزل سامنے
اک گزرتا کارواں ہے زندگی

خونِ آدم لے رہا ہے انتقام
اب بموں کے درمیاں ہے زندگی

خاک کے پتلے میں ہے نورِ ازل
اک نشانِ بے نشاں ہے۔ زندگی

نفرتوں میں تیرگی ہی تیرگی
پیار میں یہ ضوفشاں ہے زندگی

رشتے ناطے سب سمجھ میں آگئے
آج کل بارِ گراں ہے زندگی

رات دن کی محنتوں کے باوجود
پھر بھی کیوں بے خانماں ہے زندگی

دیکھکر انسانیت کا قتل عام
آج پھر ماتم کُناں ہے زندگی

ہے مدلل بات یہ یوسفؔ میاں
اک مسلسل امتحان ہے زندگی

غزل

کسی صورت مرے دل کا تماشا ہو نہیں سکتا
یہ تیرا ہے یہ تیرا ہے یہ رُسوا ہو نہیں سکتا

ازل سے روشنی ہی روشنی اِسکا مقدر ہے
"اُڑے کتنی ہی مٹی چاند پھیکا ہو نہیں سکتا"

چراغِ یادِ جاناں بجھ کے بھی یہ روشنی دیگا
ہمارے دل کی دنیا میں اندھیرا ہو نہیں سکتا

جو دشمن ہے تمہارا وہ ہمارا دوست ہو کیسے
تمہارا جو نہیں ہوتا ہمارا ہو نہیں سکتا

جو حق کی بات کرتے ہیں جو حق پر جان دیتے ہیں
کسی بھی حال میں سر اُنکا نیچا ہو نہیں سکتا

جو نفرت پالتے ہیں ان کا تو انجام کیا کہیئے
محبت کرنے والوں کا خرابہ ہو نہیں سکتا

خدا جسکو بنا دیتا ہے لا قیمت تو پھر دیکھو
کسی کے ہاتھ سے یوسفؔ کا سودا ہو نہیں سکتا

غزل

پردے کا حال یہ کہ نقاب آفتاب ہے
میرا صنم حسیں ہی نہیں لاجواب ہے

چہرہ ہے ایسا جیسے کہ کِھلتا گُلاب ہے
آنکھیں ہیں ایسی جیسے کہ جامِ شراب ہے

کیونکر نہ دشمنوں سے بھلائی کرے کوئی
پتھر تو راستے سے ہٹانا ثواب ہے

یہ جسم اور روح کا رشتہ ازل سے ہے
تیرا حجاب میں ہوں تو میرا حجاب ہے

چھایا ہوا ہے دل پہ مئے عشق کا خمار
میری نظر میں میرا صنم ماہتاب ہے

آنکھوں میں میری نیند کا کوسوں نہیں پتا
اے چشمِ التفات یہ کیسا عذاب ہے

یوسفؔ میاں نہ کیجئے ہوشِ انا کی بات
یہ بے ثبات زندگی مثلِ حباب ہے

غزل

وفا پرست ہیں خنجر تلاش کرتے ہیں
بنامِ زخم گُلِ تر تلاش کرتے ہیں

فریب خوردہ مقدر تلاش کرتے ہیں
وہ دشت میں ہیں سمندر تلاش کرتے ہیں

اندھیری رات سے مانوس جنکی آنکھیں ہیں
وہ جگمگاتا مقدر تلاش کرتے ہیں

فضائے شہر نگاراں سے خوب ہیں واقف
وہ ڈھنگ جینے کے بہتر تلاش کرتے ہیں

یہ لوگ کیسے ہیں شیشوں کے شہر میں رہ کر
وفا خلوص کے پیکر تلاش کرتے ہیں

مئے الست کے ہیں بادہ خوار ہم ساقی
یہاں وہاں کہاں ساغر تلاش کرتے ہیں

میں اُن کے واسطے دامن میں پھول لایا ہوں
وہ میرے واسطے پتھر تلاش کرتے ہیں

دلوں کے بیچ میں اتنی کھڑی ہیں دیواریں
ہم اپنے گھر میں ہیں اور گھر تلاش کرتے ہیں

تلاش میں ہوں میں اُنکی بھی اک زمانے سے
مجھے بھی آج ستمگر تلاش کرتے ہیں

بنامِ شعر و سخن اِس زمانے میں یوسفؔ
ہم اپنے آپ میں جوہر تلاش کرتے ہیں

غزل

غم کا قصہ بیاں نہیں ہوتا
رازِ دل داستاں نہیں ہوتا

جس میں کاغذ کے پھول کِھلتے ہیں
وہ کوئی گلستاں نہیں ہوتا

قطرہ قطرہ کی قدر ہے لازم
ورنہ دریا رواں نہیں ہوتا

دل سے اپنے پکار کر دیکھو
کیسے وہ مہرباں نہیں ہوتا

عشق میں جاں سے جانیوالوں کو
ہوشِ سود و زیاں نہیں ہوتا

دینے والا ہمیں وہ دیتا ہے
جسکا وہم و گماں نہیں ہوتا

وہ دبے پاؤں ایسے آتا ہے
اُسکا کوئی نشاں نہیں ہوتا

جو سمجھتا ہے دارِ فانی کو
اُسکا کوئی مکاں نہیں ہوتا

جسکا مقصد نہ کوئی منزل ہو
وہ کوئی کارواں نہیں ہوتا

لٹ ہی جاتا ہے وہ چمن کا چمن
جب کوئی باغباں نہیں ہوتا

اُسکی مشہور بے وفائی ہے
آسماں یہ کہاں نہیں ہوتا

کچھ نہ کہنا کسی سے اب یوسفؔ
ہر کوئی راز داں نہیں ہوتا

غزل

جو بھی ہے جھوٹ بات کٹ جائے
راہِ حق میں حیات کٹ جائے

درد و غم سے حیات کٹ جائے
تم جو آؤ تو رات کٹ جائے

اُن کا چہرہ ہو اور مری آنکھیں
"آنکھوں آنکھوں میں رات کٹ جائے"

حق ہی بولیں گے حق کے متوالے
سر قلم ہو کہ ہاتھ کٹ جائے

کتنا ہے اعتبار ہستی کا
زندگی اُن کے ساتھ کٹ جائے

صبح کا رات سے تعلق ہے
نور سے کیسے ذات کٹ جائے

لوہا لوہے کو کاٹتا ہوگا
غم سے تو کائینات کٹ جائے

رہگذر ' میں ' تو آپ منزل ہیں
آپ کا کیسے ساتھ کٹ جائے

حبس ہو دور رنج و فرقت کا
اشک باری میں رات کٹ جائے

اک نظر اُن کی ہو تو اے یوسفؔ
چین سے یہ حیات کٹ جائے

غزل

دارِ فانی ہے بھلا کون یہاں رہتا ہے
عمر بھر کون حسیں اور جواں رہتا ہے

خوشبوؤں سے جو مہک جاتا ہے گلشن میرا
اسکی آمد کا سدا مجھکو گماں رہتا ہے

عشق والے تو لٹا دیتے ہیں سب کچھ اپنا
ذہن میں ان کے کہاں سود و زیاں رہتا ہے

میں تو معراجِ عبادت سے نہیں ہوں واقف
ذکر تیرا ہی فقط وردِ زباں رہتا ہے

دولتِ غم بھی نصیبوں سے ملا کرتی ہے
یہ وہ سرمایہ ہے ہر دل میں کہاں رہتا ہے

اسکے جلوؤں کی بھلا تاب کہاں سے لاؤں
روبرو اسکے تو کچھ اور سماں رہتا ہے

جان و دل سے جو فدا ہوتا ہے یوسفؔ ان پر
اسکو دن رات بھلا چین کہاں رہتا ہے

غزل

جب اندھیرے رات کے بڑھنے لگے
شمع بن کے خود ہی ہم جلنے لگے

میں صلیبوں پہ رہا حق کے لئے
بے ضمیر انسان تو بکنے لگے

امن کا پرچم لئے ہاتھوں میں ہم
قتل انسانوں کا پھر کرنے لگے

زہر نفرت کا چھپا کر دل میں وہ
گفتگو میٹھی مگر کرنے لگے

دیکھکر جلتی ہوئی یہ بستیاں
روشنی کے نام سے ڈرنے لگے

مٹ گیا ہے کیا خلوص و پیار سب
دائروں میں لوگ کیوں بٹنے لگے

کون ہے یوسفؔ یہ سائے کی طرح
آپ جس کے ساتھ یوں چلنے لگے

غزل

حصارِ ذات سے بچکر گزر گیا شاید
وہ میری روح کے اندر اُتر گیا شاید

وہ مجھ سے پیار جتانے پہ سوچتا کیوں ہے
وہ پھر زمانے کی باتوں سے ڈر گیا شاید

وہ کیوں فرشتہ نظر آرہا ہے دنیا کو
بنا کے آئینہ خود کو سنور گیا شاید

کیوں اُسکی چاند سی صورت دکھائی دیتی ہے
وہ چاندنی میں نہا کر نکھر گیا شاید

مٹا کے ہستی کو اپنی جو مطمئن نہ ہوا
وہ اعتبار محبت میں مر گیا شاید

فضا بھی آج بڑی بے قرار لگتی ہے
کسی کے صبر کا پیمانہ بھر گیا شاید

وہ پھر اُداس ہے چہرہ بھی زرد ہے اُسکا
وہ اپنے وعدے سے چنداں مکر گیا شاید

اِدھر میں اُسکے لئے بزمِ دل سجایا ہوں
وہ مجھکو چھوڑ کے پھر اُس کے گھر گیا شاید

ہر اک کو پیار سے یوسفؔ سمیٹنے والا
وہ بے وفائی سے اُسکی بکھر گیا شاید

غزل

داغِ دل اُن کو دِکھانے کی ضرورت کیا ہے
اشکِ غم چھپ کے بہانے کی ضرورت کیا ہے

دل کی بستی میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے جب
شمع اب گھر میں جلانے کی ضرورت کیا ہے

ریت پر جس نے بنا رکھے ہیں ایواں اپنے
اُن مکانوں کو گرانے کی ضرورت کیا ہے

آپ خود جو درِ مقتل پہ چلا آیا ہو
اُسکا اب خون بہانے کی ضرورت کیا ہے

دیکھنا ہے تمھیں گر عیب تو خود میں دیکھو
عیب اوروں کے دکھانے کی ضرورت کیا ہے

خود فریبی نے بنا رکھا ہے جسکو اندھا
آئینہ اسکو دکھانے کی ضرورت کیا ہے

شمع احساس کی جس دل میں جلا کرتی ہے
اُسکو احساس دلانے کی ضرورت کیا ہے

وہ اگر پھیرلیں نظریں تو یہی ہے کافی
دار پر اسکو چڑھانے کی ضرورت کیا ہے

پُر خطر راہ پہ دوگام بھی جو چل نہ سکا
ساتھ اب اُسکا نبھانے کی ضرورت کیا ہے

جبکہ چہرے کی لکیروں سے عیاں ہے سب کچھ
زخمِ دل اپنے چھپانے کی ضرورت کیا ہے

جو نہیں جانتے انسان کی قدریں یوسف
اُن سے اب ہاتھ ملانے کی ضرورت کیا ہے

غزل

میں گدا ہوں ترا اب تو ہی کرم کر اپنا
"دل ٹھکانے نہیں اے داورِ محشر اپنا"

کوئی دولت نہیں ماں باپ سے بڑھکر یارو
اُن کے قدموں میں جھکائے رکھو یہ سر اپنا

اونچے نخلوں میں محلوں نام کی کچھ شئے ہی نہیں
اعلیٰ درجے میاں بہتر ہے یہ چھپر اپنا

حق کی سنگلاخ زمینوں پہ سفر ہے میرا
کبھی باطل کے مقابل نہ جھکا سر اپنا

نہ کوئی فکر نہ تدبیر نہ کچھ جذبہ ہے
کیسے بن پائیگا یہ بگڑا مقدر اپنا

دلبری کے لئے مل جائیں گے لاکھوں لیکن
تم سے اچھا نہیں اب کوئی بھی دلبر اپنا

دل تڑپتا ہی رہا یاد میں اُنکی یوسفؔ
مجھکو برباد نہ کردے دلِ مضطر اپنا

غزل

ہر سمت اس جہاں میں جو چھائی بہار ہے
ملنے کو تجھ سے ایسے میں دل بے قرار ہے

میں اُسکی آرزو میں تڑپتا ہوں رات دن
دلبر مرا میں کیا کروں دریا کے پار ہے

آنکھوں سے اُسکی پی کے زمانہ ہوا مگر
آنکھوں میں اُسکی مستی کا اب تک خُمار ہے

تو بے وفا ہے نام کو تجھ میں وفا نہیں
پھر کیوں لبوں پہ ذکر ترا بار بار ہے

آئینہ خود ہے محوِ تماشا بنا ہوا
صورت پہ تیری آج کچھ ایسا نکھار ہے

اک پیکرِ حسین ہے تیرا جمال بھی
اِس حُسنِ بے مثال پہ سب کچھ نثار ہے

بے داغ ذات ہے ترے یوسفؔ کی جب میاں
دامن پھر اُس غریب کا کیوں تار تار ہے

غزل

محبت کا سفر ہے اور میں ہوں
یہ راہِ پُر خطر ہے اور میں ہوں

چلا ہوں بانٹنے میں پیار سب کو
فسادوں کا نگر ہے اور میں ہوں

مجھے محلوں سے اب کیا واسطہ ہے
مرا چھوٹا سا گھر ہے اور میں ہوں

یہ میرے شہر کی آب و ہوا بھی
لہو سے تر بہ تر ہے اور میں ہوں

فریبِ زندگی کے دام میں اب
مجھے پھنسنے کا ڈر ہے اور میں ہوں

مری اُمیدیں وابستہ ہیں تجھ سے
اُمیدوں کا شجر ہے اور میں ہوں

ہزاروں خواہشیں دل میں ہیں یوسؔف
یہ عمرِ مختصر ہے اور میں ہوں

غزل

میں نے دل خود تجھے دیا بھی نہیں
اِس میں میری کوئی خطا بھی نہیں

کیوں مجھے پیار اُسکی ذات سے ہے
وہ تو مجھ سے کبھی ملا بھی نہیں

میری نس نس میں وہ سمایا ہے
میں نے اُسکو کبھی چھوا بھی نہیں

یہ کسک میرے دل میں کیوں ہے آج
میں نے اُسکو یہ دل دیا بھی نہیں

وہ خفا یوں ہی مجھ سے رہتا ہے
میں نے اُس سے تو کچھ کہا بھی نہیں

کیوں مجھے انتظار ہے اُس کا
اُس نے وعدہ کبھی کیا بھی نہیں

تو اگر ساتھ بھی نہ دے میرا
زندگی تجھ سے کچھ گلہِ بھی نہیں

جستجو میں ہوں میں تو منزل کی
اُسکو پانے کا راستہ بھی نہیں

مجھ پہ الزامِ میکشی توبہ
ویسے میں کوئی پارسا بھی نہیں

پھر ہوا چاک دامنِ یوسفؔ
اُس نے دامن ابھی سِیا بھی نہیں

غزل

جلوے دِکھا کے آپ پریشاں نہ کیجئے
بے تابیوں کا یوں مری ساماں نہ کیجئے

اک آدمی ہوں کوئی فرشتہ نہیں ہوں میں
شانوں پہ اپنے زلف پریشاں نہ کیجئے

میرا ضمیر کافی ہے میرے لئے جناب
یوں آئینہ دِکھا کے پشیماں نہ کیجئے

اب تو متاعِ زیست ہوا دردِ دل مرا
اس دردِ دل کا اب مرے درماں نہ کیجئے

کافی ہے آپ مجھکو محبت سے دیکھ لیں
مجھ پر نثار اپنے دل و جاں نہ کیجئے

تا عمر منتظر رہوں وعدے پہ آپ کے
وعدے سے آپ اپنے گریزاں نہ کیجئے

الفت کی اپنی دیں گے گواہی شجر حجر
سچائیوں کو آپ بھی پنہاں نہ کیجئے

ہوں تیرہ بخت تیرگی مجھکو پسند ہے
یہ رات ہجر کی ہے چراغاں نہ کیجئے

تہمت نہ یوں لگایئے یوسفؔ کی ذات پر
بے وجہہ اُسکا چاک گریباں نہ کیجئے

غزل

غمِ حیات کا وہ اتنا ہمنوا کیوں ہے
وہ آسماں کی طرف روز دیکھتا کیوں ہے

کسی بھی شخص کو وہ کیوں بُرا نہیں کہتا
وہ آئینے میں سدا خود کو دیکھتا کیوں ہے

کسی سے اُسکو محبت نہیں تو پھر اکثر
وہ سب کا حال مگر روز پوچھتا کیوں ہے

وفا کا درس جو دیتا ہے رات دن سب کو
وہ بے وفا کو مگر پھر بھی چاہتا کیوں ہے

جو اپنے ہاتھ میں سورج کو لے کے پھرتا ہے
وہ گمرہی کے اندھیروں کو بانٹتا کیوں ہے

O

وہ ایک شوخ نظر کا شکار خود ہو کر
پھر اپنے آپ کو ہر وقت کوستا کیوں ہے

کسی کے حق میں وہ کیوں بدعا نہیں کرتا
زمانے بھر کے ستم ہنس کے جھیلتا کیوں ہے

کبھی تو جائیزہ لو اُس کے ظرف کا یارو
وہ بھوکا رہ کے بھی حق بات بولتا کیوں ہے

تجھے زمانے میں جب کوئی غم نہیں یوسفؔ
ستارے گنتے ہوئے رات کاٹتا کیوں ہے

غزل

سناں کا تیر کا خنجر کا نہ کمان کا ہے
جو گھاؤ دل پہ لگا ہے تیری زبان کا ہے

میں چاند تارے بھی لادوں تو یہ بہت کم ہے
وہ میرا یار بڑی آن بان شان کا ہے

غموں کی دھوپ جلائے گی کیا بھلا مجھ کو
کہ سایہ سر پہ دعاؤں کے سائبان کا ہے

زہے نصیب وہ آئے غریب خانے پر
بڑا ہی اونچا مقدر مرے مکان کا ہے

تری ہی تیر نظر سے ہوا ہوں میں گھائل
جگر میں تیر جو اٹکا تری کمان کا ہے

وہ آج بھوکا ہے ننگا ہے اور مفلس ہے
یہ حال آج ہمارے ہی ہر کسان کا ہے

زمیں پہ کیسے رکھیگا قدم وہ اب یوسف
مزاج اُسکا ازل سے ہی آسمان کا ہے

غزل

خوابوں میں میرے آنے کی زحمت نہ کیجئے
نیندیں مری اُڑانے کی زحمت نہ کیجئے

آنکھوں میں تابِ دید بھی باقی نہیں رہی
رُخ سے نقاب اُٹھانے کی زحمت نہ کیجئے

آنکھیں بچھا رہا ہوں میں راہوں میں آپ کی
کانٹوں پہ چل کے آنے کی زحمت نہ کیجئے

میرے جگر کے خوں سے جلائے گئے دیئے
جلتے دیئے بجھانے کی زحمت نہ کیجئے

بیٹھا ہوں اپنا حالِ پریشاں لئے ہوئے
گیسو بدوش آنے کی زحمت نہ کیجئے

پہلے ہی اپنے آپ سے شرمندہ ہوں بہت
اب اور دل دُکھانے کی زحمت نہ کیجئے

ہے آپ کا ہی اور رہے گا وہ آپ کا
یوسفؔ کو آزمانے کی زحمت نہ کیجئے

غزل

بے گماں احسان اپنے حال پر اُس نے کیا
کور چشمی کو ہماری دیدہ ور اُس نے کیا

اک کھنڈر سے بھی گئی گزری تھی میری زندگی
اپنی اُلفت سے مگر رنگین تر اُس نے کیا

سیم تن کی روشنی سے چاندنی شرماگئی
دم بخود خورشید کو وقتِ سحر اُس نے کیا

بھول کر سب رنجشیں سینے سے لگ جائیں گے ہم
سوچتے تھے رات دن آساں مگر اُس نے کیا

کیا بتاؤں کون تھا پل بھر جو میرے ساتھ تھا
مضمحل فکر و نظر کو کارگر اس نے کیا

O

روشنی کے نام سے وہ کیوں تھا گھبرایا ہوا
کس لئے تاریک راتوں میں سفر اُس نے کیا

بن کے خود تعبیر آیا روبرو جو ناگہاں
خواب غفلت میں پڑے تھے باخبر اُس نے کیا

جھوٹ جسکا اوڑھنا تھا اور بستر تھا فریب
مجھکو میری زندگی سے بے خبر اُس نے کیا

میں کہ تھا اک خانماں برباد یوسف بے گماں
میری ہستی کو جہاں میں معتبر اُس نے کیا

غزل

یہ زمانہ کچھ اچھا نہیں ہے
اب یہاں کوئی اپنا نہیں ہے

بات کرتا ہے وہ اشتعالی
سر تو ہے سر میں بھیجا نہیں ہے

اُسکی فطرت میں ہے شر پسندی
امن سے اُسکا رشتہ نہیں ہے

چھوڑ دینا ہے رشدی کو زندہ
ایسا کوئی بھی فتویٰ نہیں ہے

کیوں نہ شر مندہ ہوں چاند تارے
کوئی بھی تیرے جیسا نہیں ہے

O

حُسن کے آگے وہ لڑکھڑایا
آدمی ہے فرشتہ نہیں ہے

اُسکی آنکھوں سے ہے صاف ظاہر
اُسکا کوئی بھروسہ نہیں ہے

وہ کرم ہم پہ فرمائیں گے کیا
ایسا اُن کا تو شیوہ نہیں ہے

ٹوٹ کر چاہتا ہوں میں اُن کو
پھر بھی وہ مجھ پہ شیدا نہیں ہے

بانیٔ کارواں تھا جو یوسفؔ
اُسکا کیوں کوئی چرچا نہیں ہے

غزل

تازہ ستم کا گرم جو بازار ہو گیا
جینا ہمارا شہر میں دُشوار ہو گیا

میرا قصور یہ ہیکہ حق مانگتا ہوں میں
"میں بے خطا بھی ہو کے خطا وار ہو گیا"

دُنیا کی لذتوں کا ہوا کیا شکار میں
دو روزہ زندگی میں گناہ گار ہو گیا

کل تک جو زندگی کا تھا دیوانہ دوستو
کیوں آج اپنے آپ سے بے زار ہو گیا

جس دن تمھارے کوچہ میں میں نے رکھا قدم
اُس دن سے میں بھی صاحبِ کردار ہو گیا

میں کیا بتاؤں آپ کو کیا ہو گیا مجھے
اک شوخ دلربا سے مجھے پیار ہو گیا

○

وہ رہنما کے بھیس میں رہزن بنا رہا
اُس کا امیر شہر طرفدار ہوگیا

اُسکا ضمیر زندہ تھا حق بات کے لئے
منصور کی طرح وہ سر دار ہوگیا

ساقی کی چشم میکدہ بردوش دیکھ کر
مجھ جیسا تشنہ کام بھی سرشار ہوگیا

کیا بے رُخی سے اپنی نظر تم نے پھیرلی
میرے لئے تو پھول بھی اب خار ہوگیا

اُسکی بساط کچھ بھی نہیں جانتا بھی ہے
یوسفؔ کی ذات کا وہ خریدار ہوگیا

غزل

صبحدم کیا دیکھکر باد صبا رونے لگی
حادثہ کیا ہوگیا ساری فضا رونے لگی

کون کس کے غم میں روتا ہے بتا اے زندگی
"ریت پر کسکا لہو تھا کیوں گھٹا رونے لگی"

اک مری پرچھائیں تھی دہلیز پر کوئی نہ تھا
سوچ کر تنہائی میری آج کیا رونے لگی

گاؤں والوں کے وہ مٹی کے گھروندے کیا ہوئے
سر پٹک کر کیوں لبِ ساحل ہوا رونے لگی

اہلِ محفل سب تھے دادِ عیش دینے میں مگن
کیا خبر تھی اُن کو گھنگھرو کی صدا رونے لگی

حق کی خاطر دار پر وہ مسکرا کر چڑھ گیا
آپ اپنے سے پشیماں تھی سزا رونے لگی

شہر کا بازار یوسفؔ آج خالی ہوگیا
خود کو تنہا دیکھکر میری انا رونے لگی

غزل

عشق کو ذات کا محور نہیں ہونے دیتا
کون قطرہ کو سمندر نہیں ہونے دیتا

میں سراپا تری تصویر بنا پھرتا ہوں
تو مجھے پیار کا پیکر نہیں ہونے دیتا

میرا ہمزاد جو غالب ہے میری ہستی پر
خیر کے کام وہ کیونکر نہیں ہونے دیتا

میری حق بات سے انکار نہیں ہے اسکو
میری ہی بات کو گھر گھر نہیں ہونے دیتا

آج بھی کتنا وہ مجروح انا ہے توبہ
غیر کو اپنے برابر نہیں ہونے دیتا

وقت پر پھول کھلا دیتا ہے گلشن گلشن
دل کے زخموں کو گلِ تر نہیں ہونے دیتا

جسکی ہوتی ہے توکل پہ گذر اے یوسف
اپنے بندہ کو وہ در در نہیں ہونے دیتا

غزل

اُن کی صورت کتاب جیسی ہے
اور رنگت گُلاب جیسی ہے

زندگی اب ترا خُدا حافظ
ہر تمنا سراب جیسی ہے

لب لعلیں کی مختصر تعریف
پنکھڑی اک گُلاب جیسی ہے

یہ تغافل یہ کھوئی کھوئی نظر
یہ ملاقات خواب جیسی ہے

دار فانی ہے یہ سمجھ لیجے
زندگی اک حباب جیسی ہے

یہ تبسم نظر حیا توبہ
ہر ادا انقلاب جیسی ہے

کھل کے ملنے میں بھی تناؤ سا ہے
بات کچھ اجتناب جیسی ہے

وہ سراپا ہیں میکدہ بردوش
آنکھ جامِ شراب جیسی ہے

مُفلسی میں یہ زندگی یوسفؔ
اک مسلسل عذاب جیسی ہے

غزل

زندگی زندگی ہائے کیا زندگی
سانحہ زندگی حادثہ زندگی

مُفلسی میں سِسکتی بِلکتی ہے یہ
اور امیری میں ہے خوش ادا زندگی

خواب ہوتے ہی ہیں ٹوٹنے کے لئے
ایک پانی کا ہے بلبلہ زندگی

بغض و کینہ سے رکھنا اسے پاک تم
حُسنِ قدرت کا ہے آئینہ زندگی

دوسروں کو جو دِکھلائے ہے راستہ
راہ میں ایک جلتا دِیا زندگی

چاند پر بھی رسائی ہے انسان کی
چاند پر گُل کھلا ئیگی کیا زندگی

یوسفؔ آنکھوں میں آنسو چھپائے ہوئے
لکھ رہا ہے ترا مرثیہ زندگی

غزل

زندگانی دین ہے سوغات ہے یا بھیک ہے
بھیک تو ہوتی نہیں سوغات ہے یہ ٹھیک ہے

کیوں نہ ہم اِس زندگی کو پیار ہی کا نام دیں
فلسفہ یہ زندگی کا بال سے باریک ہے

ہے جو عالم بانٹتا ہے روشنی دنیا میں وہ
جاہلوں کے واسطے دنیا بڑی تاریک ہے

ڈھونڈتا پھرتا رہا میں دشت و صحرا میں جسے
وہ رگِ جاں سے بہت نزدیک ہے نزدیک ہے

داستانِ دل وہ میری سُن کے کیوں رونے لگے
میرے غم میں اُن کا رونا باعث تشکیک ہے

وہ جفا پیشہ ہے لیکن روشنی اُسکو ملی
کیوں وفا پیشہ کا دیکھو راستہ تاریک ہے

جو کسی کے واسطے قربانیاں دیتا نہیں
اُسکا اِس دُنیا میں یوسف جینا بھی اک بھیک ہے

غزل

گلوں میں تو لتا کوئی نہیں ہے
مجھے اب چاہتا کوئی نہیں ہے

سب اچھے ہیں بُرا کوئی نہیں ہے
مرا اب ھمنوا کوئی نہیں ہے

بنا ہوں اجنبی اپنے ہی گھر میں
مجھے اب پوچھتا کوئی نہیں ہے

بڑی تھی مانگ اپنی بھی جہاں میں
ہمیں اب مانگتا کوئی نہیں ہے

امیر شہر کے آگے یہاں اب
زباں کیوں کھولتا کوئی نہیں ہے

۵

وہ کل تک آسرا تھا دوسروں کا
اب اس کا آسرا کوئی نہیں ہے

یہ کس منزل پہ پہنچا ہوں الٰہی
یہاں کیوں بولتا کوئی نہیں ہے

فریب و مکر کا پھر تذکرہ کیا
یہاں تو باوفا کوئی نہیں ہے

نمود و بود کا عالم ہے ان سے
مرا ان کے سوا کوئی نہیں ہے

جلا دیتا ہے وہ بستی کو یوسفؔ
اسے کیوں روکتا کوئی نہیں ہے

غزل

وہ تو احسان ہم پہ کر بھولے
ہم بھی ان کو کہاں مگر بھولے

دشت و صحرا کی خاک چھانی ہے
اک زمانہ ہوا ہے گھر بھولے

حق کی آساں نہیں ڈگر یارو
جو تھی سچی وہی ڈگر بھولے

دوسروں کے جو کام آتا تھا
کیوں وہ اچھا سا تم ہنر بھولے

ہجر کی بے قراریاں ہیں عزیز
وصل کا عیش ہم مگر بھولے

رہ گئی یاد شامِ غم اب تک
بر ملا رونقِ سحر بھولے

کیا جلائیں گے پیار کی شمعیں
اپنے یوسف کو وہ اگر بھولے

غزل

کچھ تلخیِ حیات میں در در نکل پڑے
اونچی اڑان بھرنے کو شہپر نکل پڑے

شوقِ جنوں میں دشت کی سنسان راہ پر
دیدارِ یار کرنے کو دلبر نکل پڑے

اہلِ خرد تو اپنی اداؤں میں مست تھے
اہلِ جنوں کہ راہِ خطر پر نکل پڑے

آئینہ گر جو آئینہ سازی میں طاق تھا
اس کی تلاش میں کئی پتھر نکل پڑے

موتی چمک رہے تھے جو فرقت میں شام سے
آنکھوں کے دائروں سے تڑپ کر نکل پڑے

ہاتھوں میں اپنے امن کا پرچم لئے ہوئے
کرنے ستم وہ سارے ستم گر نکل پڑے

کچھ مصلحت پسند رہے سوچتے ہوئے
یوسفؔ جو حق پسند تھے کھل کر نکل پڑے

غزل

حق کی ڈگر پہ چل کے دِکھانا نیا نہ تھا
میرے لئے حیات کا رستہ نیا نہ تھا

زر زن زمین ہی تو سبب ہیں فساد کا
جو شہر میں ہوا وہ تماشہ نیا نہ تھا

احساس دل میں پیار کا روز ازل سے ہے
بھونرے کا پھول سے کوئی رشتہ نیا نہ تھا

دھوکہ فریب اُسکی تو عادت ہے دوستو
چہرہ پہ اُسکے جو بھی تھا چہرہ نیا نہ تھا

منزل کی جستجو میں تو چلتے ہیں قافلے
آنکھوں کی راہ دل میں اُترنا نیا نہ تھا

سب کچھ لٹا کے اُسکی محبت خرید لی
عاشق کے واسطے یہ تو سودا نیا نہ تھا

ناز و ادا سے روٹھنا عادت ہے حُسن کی
یوسفؔ کے واسطے کوئی غمزہ نیا نہ تھا

غزل

جب وہ سولہ سنگھار کرتے ہیں
آئینے خود بھی بن سنور تے ہیں

وہ نشیمن بنائیں گے کیسے
بجلیوں سے ابھی جو ڈرتے ہیں

اُن کو سچ بولنا نہیں آتا
جھوٹے لوگوں کا دم جو بھرتے ہیں

تیز چلتی ہیں آندھیاں جب بھی
خواب سب ٹوٹتے بکھرتے ہیں

پیار اخلاص صبر خاموشی
اِس سے اخلاق ہی نکھرتے ہیں

یاد ماضی کی ہم کو آتی ہے
تیری گلیوں سے جب گزرتے ہیں

ہر زلیخا ہے یاد یوسفؔ کو
بھولتے ہیں نہ ہم بسرتے ہیں

غزل

نفرت کے زہر کو مرے دل سے نکال دے
سانچے میں پیار کے مجھے یکسر ہی ڈھال دے

میں تو غموں کے بیچ میں پل کر بڑا ہوا
دامن میں میرے تھوڑی سی خوشیاں بھی ڈال دے

اوروں کو لوٹ کر جو بسائے ہیں اپنے گھر
ایسے ستمگروں کی تو پگڑی اچھال دے

پھر آج گامزن ہے زمانہ جفاؤں پر
سب کی رگوں میں خونِ وفا پھر ابال دے

ہم غوطہ زن ہوئے ہیں گہر کی تلاش میں
جب ڈھونڈنے پہ آئے سمندر کھنگال دے

سن کر زمانہ کہہ اٹھے دیوانہ ہوں ترا
میری سخنوری میں تو ایسا کمال دے

دنیا کی لذتوں میں گھرا جاتا ہے یوسف
کچھ اپنی عاقبت کا بھی مجھکو خیال دے

غزل

وفاشعار کوئی راز داں نہیں ملتا
زمیں سے سلسلہء آسماں نہیں ملتا

سنا ہے رہتا ہے بے فاصلہ داوں کے قریب
کہیں بھی اس کا تو مجھکو نشاں نہیں ملتا

یہ میرا شہر ہے میرے ہی لوگ ہیں سارے
مجھے تو کوئی بھی اپنا یہاں نہیں ملتا

ہر ایک بات کو ہم دل میں قید رکھتے ہیں
بنام زیست کوئی راز داں نہیں ملتا

دیار عشق کی آوارگی سے کیا حاصل
یہاں ہر ایک کو دردِ نہاں نہیں ملتا

یہ کیسے لوگ ہیں کیسی عجیب بستی ہے
کسی کا نقش کفِ پا یہاں نہیں ملتا

غبار و گرد ہے حدِّ نگاہ تک یوسف
سفر میں زندگی ہے کارواں نہیں ملتا

غزل

خوشی جہان میں ہم کو ملی ہے تھوڑی سی
سنبھل سنبھل کے چلو زندگی ہے تھوڑی سی

کبھی غرور نہ کرنا حسین چہرے پر
یہ عارضی ہے چمک چاندنی ہے تھوڑی سی

تمہارے ہجر میں آگے کا حال رب جانے
ابھی تو آنکھ میں میری نمی ہے تھوڑی سی

مزاج دوست ابھی تک زرا نہیں بدلا
مرے خلوص میں شاید کمی ہے تھوڑی سی

میں ان کی آنکھوں میں ڈوبا تو پھر ابھر نہ سکا
کہوں تو کیسے کہوں تشنگی ہے تھوڑی سی

بچھا رہا ہے مرے راستے میں یہ کانٹے
مری زمانے سے بھی دوستی ہے تھوڑی سی

وفا پرستی تمہارا شعار ہے یوسفؔ
جفا پرستوں سے کیوں دوستی ہے تھوڑی سی

غزل

آرزوں کی کبھی شاق نہ یاری گزری
ان سرابوں میں سدا عمر ہماری گزری

ہم مٹے جائیں فقط تم سے نبھانے میں ادھر
بے وفائی میں ادھر عمر تمھاری گزری

آپ نے پردے میں رہ کر یہ تماشہ دیکھا
چھپ کے رولینے میں یہ زندگی ساری گزری

زخم تلوار کا ہوتا تو کوئی بات نہ تھی
ان کے لہجہ کی تھی یہ کاٹ جو کاری گزری

ہجر میں تیرے ہر اک دن تھا قیامت جیسا
ایک اک رات ہمیں موت سے بھاری گزری

زخم سینے کے دکھائیں تو دکھائیں کس کو
زندگی چارہ گروں ہی میں ہماری گزری

سربازار ہیں انگشت بہ دنداں کیوں لوگ
کیا کسی یوسفؔ ثانی کی سواری گزری

غزل

کیا کہیئے غم ہیں زندگی میں زندگی کے ساتھ
کیا تیرگی کا ربط نہیں روشنی کے ساتھ

کیسے نہ کرتے صلح بھلا زندگی کے ساتھ
کوئی کسی کے ساتھ ہے کوئی کے ساتھ

ابرو پہ بل پڑے نے جبیں پر شکن پڑی
اس نے کیا ہے قتل عجب سادگی کے ساتھ

یہ میرے دل کا حوصلہ ہے میری بات ہے
جینا کوئی مذاق ہے زندہ دلی کے ساتھ

ایسا ہی ربط ضبط ہے اپنا حیات سے
مدبھیڑ جیسے۔ راہ میں ہوا جنبی کے ساتھ

قدموں سے میرے آج سرکنے لگی زمیں
وہ دیکھنے لگے مجھے سنجیدگی کے ساتھ

یوسفؔ چمن میں آتی ہے بعد خزاں بہار
غم تو ہمیشہ رہتے نہیں آدمی کے ساتھ

غزل

شعر میں کسک بھی ہے شعر میں روانی ہے
میں جو شعر کہتا ہوں ان کی مہربانی ہے

زندگی کے متوالے پیار کی حفاظت کر
جان کا بھروسہ کیا یہ تو آنی جانی ہے

ان کے پیار میں ہستی تو مٹا کے دیکھ اپنی
زیست بھی سہانی ہے موت بھی سہانی ہے

پیار نے کھڑی کردیں چاندی کی یہ دیواریں
دل کے ٹوٹ جانے کی دکھ بھری کہانی ہے

حسن آپ کا بھی ہے ڈوبتا ہوا سورج
آپ کو وہ پوجیں گے جب تلک جوانی ہے

ہے متاع دل دیکھو سوز زندگی اپنا
ان کو یاد کرلینا میری زندگانی ہے

بے وفا کے وعدے پر اعتبار کر بیٹھے
آج ہم پہ اے یوسفؔ وقت امتحانی ہے

غزل

چاند جیسا وہ پیکر نہیں ہے
پھر تو وہ میرا دلبر نہیں ہے

جس میں سودا نہ ہو یار تیرا
پھر تو وہ سر کوئی سر نہیں ہے

شیشۂ دل میں خود دیکھ لیجے
اپنا چہرہ برابر نہیں ہے

ہجر کی رات ہے ہجر کی رات
نرم پھولوں کا بستر نہیں ہے

امن کی ہے علامت کبوتر
اب کہیں بھی کبوتر نہیں ہے

امن عالم کی کیا بات کرنا
امن تو گھر کے اندر نہیں ہے

قتل کرتے ہیں آنکھوں سے یوسفؔ
کوئی الزام ان پر نہیں ہے

غزل

جب کبھی کوچہ جاناں سے ہوا آتی ہے
رحمتوں کی مرے گھر لے کے گھٹا آتی ہے

گردش وقت میں ہر غم میں پریشانی میں
کام ہر وقت مرے ماں کی دعا آتی ہے

بے وفائی سے کوئی پھولتا پھلتا ہی نہیں
کام انسان کے ہر وقت وفا آتی ہے

کیسا انداز تخاطب ہے یہ ان کا مجھ سے
بات کرنے کی انہیں خوب ادا آتی ہے

ساری خوشبو ہے جو گلشن کی فضاؤں مین آج
عنبریں زلف سے ٹکرا کے ہوا آتی ہے

کل لڑکپن تھا مگر آج ہے عالم کچھ اور
آئینہ دیکھتے اب ان کو حیا آتی ہے

ذات میں اسکی فنا جب سے ہوا ہوں یوسفؔ
دل کی دھڑکن سے بھی بس اسکی صدا آتی ہے

غزل

بے وفا سے پیار مت کرو
اس پہ دل نثار مت کرو

وہ جفا کی راہ چن چکے
تم وہ اختیار مت کرو

بے وفا ہے زندگی جناب
زندگی سے پیار مت کرو

آئینہ ہے آئینہ ہے دل
دل کو داغدار مت کرو

چلمنوں سے جھانک جھانک کر
مجھکو بے قرار مت کرو

کرنا ہے مقابلہ تو پھر
چھپ کے مجھ پہ وار مت کرو

بے وجہ یوسفؔ کی ذات کو
یونہی داغدار مت کرو

غزل

بھیگا بھیگا سا جو آغاز سحر لگتا ہے
رات کے اشک بہانے کا اثر لگتا ہے

بے وفائی کا تیری دل پہ اثر لگتا ہے
دشت وصحرا کی طرح اب مرا گھر لگتا ہے

خود خزاں جس کی بہاروں پہ سدا رشک کرے
وہ یتیموں کی دعاؤں کا شجر لگتا ہے

بھولنا چاہوں بھی تجھکو تو نہ میں بھول سکوں
میری سانسوں میں بھی اب تیرا گزر لگتا ہے

ہاتھ میں آکے مرے پھول بھی پتھر ہو جائے
تیرے ہاتھوں میں تو پتھر بھی گہر لگتا ہے

رات نے اشک بہائے جو تری فرقت میں
دامن صبح مسرت مجھے تر لگتا ہے

اُسکے کپڑوں میں ہیں پیوند صداقت یوسف
شہر میں بس وہی اک شخص نڈر لگتا ہے

غزل

وہ زباں کب ہیں کھولنے والے
جو ہیں نظروں سے بولنے والے

جائیزہ لے لے اپنی ہستی کا
میرے جذبوں کو تولنے والے

جی سکیگا نہ چین سے تو بھی
دشمنی مجھ سے مولنے والے

پیار الفت کی بات کرتے ہیں
زہر نفرت کا گھولنے والے

بات دل کی تو دل میں رہنے دے
راز دل اپنا کھولنے والے

نفرتوں سے بھرا ہے دل تیرا
مجھ میں الفت ٹٹولنے والے

جن کے زندہ ضمیر ہیں یوسفؔ
وہ ہیں حق بات بولنے والے

غزل

کہنا یہ نگاہوں کا ہے منظر کا نہیں ہے
چہرہ یہ کسی کا ہے گل تر کا نہیں ہے

اچھا ہوا کہ خضر نے اعلان کر دیا
راہی کا یہ قصور ہے رہبر کا نہیں ہے

اس طائر لاہوت کو ملتی ہے بلندی
جو عزم کا محتاج ہے شہپر کا نہیں ہے

خواہش کے پیچھے دیکھئے کیا دوڑ رہا ہے
دنیا کا خوف ہے اسے محشر کا نہیں ہے

ضرب جفا سے ٹوٹ نہ جائے یہ ایک دن
شیشے کا دل مرا کوئی پتھر کا نہیں ہے

اے دوست کیسے ہوگا زرا مندمل بتا
یہ گھاؤ ہے زبان کا خنجر کا نہیں ہے

یوسفؔ کو احتیاج کسی اور سے نہیں
محتاج تیرے در کا ہے دردر کا نہیں ہے

غزل

دل کے سب راز بتا دیتا ہے گویا چہرہ
غمزدہ سب کو بنا دیتا ہے اترا چہرہ

جھوم اٹھتی ہے فضا ناچنے لگتا ہے سماں
جب نظر آتا ہے ہنستا ہوا پیارا چہرہ

پھول کھِل اٹھتے ہیں کلیاں بھی مہک جاتی ہیں
جب گلستاں میں چلا آتا ہے کھلتا چہرہ

دشت و صحرا بھی نظر آئیگے تم کو گُلشن
ساتھ جب ہوگا کوئی سانولا بانکا چہرہ

آئینہ حسن خداداد پہ حیراں ہے خود
چاندنی میں ہے نہایا ہوا نکھرا چہرہ

ماند پڑ جاتے ہیں سب چاند ستارے یوسفؔ
جب سما جاتا ہے آنکھوں میں کسی کا چہرہ

غزل

ہمارے عزم کے تیور کے بھی دُنیا سے نرالے ہیں
ستارے توڑ کر ہم آسماں سے لانے والے ہیں

تری فرقت میں رو رو کر ترے دیدار کی خاطر
نہ جانے ہم نے کتنے دشت و صحرا چھان ڈالے ہیں

شب فرقت کی تاریکی نگاہوں میں بسی لیکن
نہاں خانے میں دل کے تیری یادوں کے اُجالے ہیں

مری خود داریوں پر بجلیاں احسان کیا کرتیں
"نشیمن سینکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں"

جہاں دل میں تا حدِ نظر پہلے اندھیرا تھا
بسے ہو جب سے تم دل میں اُجالے ہی اُجالے ہیں

کبھی بر ہم وہ ہوتا ہے کبھی جاں بھی چھڑکتا ہے
مرے محبوب کے تیور بھی دنیا سے نرالے ہیں

تری ترچھی نظر کا زاویہ ہے فہم سے باہر
نہ جانے کتنے شیشے اس نے دل کے توڑ ڈالے ہیں

منافق ہے منافق بے گماں اُن کو کہیں گے ہم
لباسِ دوستی میں دشمنی جو کرنے والے ہیں

تمھیں کیا ہوگیا یوسفؔ سرِ محفل جو کہہ اٹھے
تمھاری بے وفائی کے ہمارے دل میں چھالے ہیں

غزل

دشت جنوں میں صحرا بھی اک لالہ زار ہے
آنکھیں حسین ہوں تو خزاں بھی بہار ہے

اک آرزو میں کٹ گئی عمر رواں مگر
ہر پل ترا ہی ذکر ترا انتظار ہے

کل تک جو میری راہ میں کانٹے بچھائے تھا
اپنے کئے پہ آج وہی شرمسار ہے

میں نے انا کے پیڑ کو جڑ سے مٹا دیا
ہر کوئی میرا شیدا ہے ہر کوئی یار ہے

دُنیا پرست لگتا ہوں ظاہر سے میں مگر
پاکیزہ میری عادتیں دل دیندار ہے

شمشیر بے نیام لئے وہ ہیں سربکف
دل میں مرے شہادت عظمیٰ سوار ہے

بانٹے ہے سب میں پیار یہ یوسفؔ کا ہے شعار
ہر بزم میں عزیز ہے اور پُر وقار ہے

غزل

چاند آنگن میں چل رہا ہوگا
چاندنی میں مچل رہا ہوگا

روشنی چلمنوں سے چھنتی ہے
میرا سورج نکل رہا ہوگا

آبلے میرے رِس رہے ہیں اب
کوئی کانٹوں پہ چل رہا ہوگا

اُسکے چہرے پہ کیوں اُداسی ہے
داغِ دل اُسکا جل رہا ہوگا

شمع کو اضطراب اب کیوں ہے
کوئی پروانہ جل رہا ہوگا

اُسکی پلکوں میں ہے نمی دیکھو
کوئی آنسو مچل رہا ہوگا

آئینے سب اُداس ہیں یوسف
کوئی چہرہ بدل رہا ہوگا

غزل

گُل و بلبل کے قصے آج دُہرانے نہیں آئے
گلستاں میں ہم اپنے دل کو بہلانے نہیں آئے

مسائیل آپ کے ہوں میرے ہوں یا ہوں کسی کے بھی
اِنھیں سُلجھانے ہم آئے ہیں اُلجھانے نہیں آئے

تعجب خیز منظر ہے عجب اندازِ محفل ہے
شمع تو جل رہی ہے اور پروانے نہیں آئے

نگاہِ مست سے مخمور ہوجائیں جو ساقی کی
ہماری رہگذر میں ایسے میخانے نہیں آئے

غرورِ حسن اُن کا خود اُنہیں نیچا دِکھایا ہے
سبھی سے پوچھتے ہیں میرے دیوانے نہیں آئے

اُڑی پھولوں سے خوشبو اور چمن سے رونقیں روٹھیں
چمن میں گُل کھلے ہیں بھونرے منڈلانے نہیں آئے

میں حق گو ہوں حقیقت آشنا میری طبعیت ہے
کبھی ہونٹوں پہ یوسفؔ جھوٹے افسانے نہیں آئے

غزل

ہوگا کرم بھی ہم پہ تو پروردگار کا
دامن کبھی نہ چھوڑنا صبر و قرار کا

کیسے بھروسہ ہم کریں اس بے شعار کا
پاسِ وفا بھی جو نہ رکھا اپنے یار کا

بجلی سی کوند جاتی ہے بس دل کے آس پاس
گہرا ہے زخم یہ تیرے کاجل کی دھار کا

دُنیا سے بے نیاز ہے یہ بے خودی مری
اب تک اُتر نہ پایا نشہ چشمِ یار کا

بے بس میں ہوتا جاتا ہوں کیوں اُن کے سامنے
چلتا نہیں ہے زور مرے اختیار کا

کیوں نفرتوں کا قتل کا بازار گرم ہے
لب پر کسی کے آتا نہیں نام پیار کا

حق کی ڈگر ہے یہ کوئی پھولوں کا بن نہیں
یوسف یہ پھول کا نہیں رستہ ہے خار کا

غزل

میرا وجود میری ہی پر چھائیوں میں تھا
ڈھونڈا اُسے تو روح کی گہرائیوں میں تھا

سچ بولتا تھا شخص وہ اچھائیوں میں تھا
شامل اُسی کا نام کیوں رُسوائیوں میں تھا

ڈوبا ہوا یوں فکر کی گہرائیوں میں تھا
دُنیا کی بھیڑ میں بھی ہیں تنہائیوں میں تھا

چہرے پہ اُسکے نور نہ آنکھوں میں تھی چمک
اُلجھا ہوا وہ روز کی مہنگائیوں میں تھا

گھونپا تھا جس نے پیٹھ میں خنجر وہ کون تھا
وہ غیر تو نہیں تھا مرے بھائیوں میں تھا

ہر ہر قدم پہ ماں کی دُعائیں تھیں اُس کے ساتھ
اُسکا مقام اِسلئے اُونچائیوں میں تھا

یوسفؔ کسی کے لہجہ میں تھا جو سرور و کیف
کوئیل کی کوک میں تھا نہ شہنائیوں میں تھا

غزل

ہم نے کب سنجیدگی میں خط لکھے
اُن کو یونہی دل لگی میں خط لکھے

چاند سا چہرہ نظر آیا ہمیں
اُن کو اب اب چاندنی میں خط لکھے

جسمیں کچھ القاب نہ آداب تھے
ایسے بھی کچھ بے بسی میں خط لکھے

رفتہ رفتہ پیار بھی بڑھتا گیا
جب کبھی وارفتگی میں خط لکھے

اپنا سب کچھ لکھدیا ہے اُن کے نام
ہم نے جب بھی بے خودی میں خط لکھے

ہجر کے صحرا میں تھی شدت کی پیاس
ہم نے اُن کو تشنگی میں خط لکھے

یا اُسکی روح کو تڑپا گئی
اُس نے جتنے بے رُخی میں خط لکھے

ڈس گئی آنکھوں کو یوسفؔ رات جب
پھر سحر کی روشنی میں خط لکھے

غزل

نہ پوچھ کیسے یہ سانسوں کا کارواں گزارا
کہاں پہ رات کٹی اور دن کہاں گزرا

یہ میری رفعتِ پرواز کا کرشمہ ہے
حدِ یقیں سے بھی آگے مرا گماں گزرا

یہ میرا ظرف کہ ہر غم پہ مسکراتا ہوں
ہجومِ غم سے بھی گزرا تو شادماں گزرا

گزرنا ہجر کی شب کا عجب قیامت تھا
زمیں پہ پاؤں نہ تھے سر سے آسماں گزرا

تمھیں وفا بھی سرراہ مل گئی سستی
ہمیں یہ عشق کا سودا بہت گراں گزار

مٹا کے اپنا نشاں میں نے مانگ لی جنت
میں بے مکان ہی آیا تھا بے مکاں گزرا

میں ایک لمحہ جو سوچا تھا اپنے بارے میں
بس ایک لمحہ وہی میرا رائیگاں گزرا

اَنا کو بیچ دیا اُس نے چند سکوں میں
وفا شعار طبیعت پہ یہ گراں گزرا

قدم قدم پہ کھڑی تھیں ہوس کی دیواریں
بڑا کٹھن یہ مرے سر سے امتحاں گزرا

جلائیں گی اُسے کیا خاک بجلیاں یوسفؔ
ہزار برق و شرر سے جو آشیاں گزرا

غزل

دیدِ یار کی خاطر گھر سے ہم نکلتے ہیں
حسرتوں کے پیمانے آنکھ میں مچلتے ہیں

سلسلہ ہے سانسوں میں ذکر یا رکا ہر دم
اُسکی یاد کے گوہر آنسوؤں میں ڈھلتے ہیں

احتیاط سے رستہ آپ کیوں نہیں چلتے
بار بار گر گر کے آپ کیوں سنبھلتے ہیں

غیر سے کریں کیونکر ہم گلہ زمانے میں
آستیں میں اپنوں کی آج سانپ پلتے ہیں

دن میں جو جلاتے ہیں بے وجہ چراغوں کو
ان کی چھاؤں میں یارو گھپ اندھیرے پلتے ہیں

O

دھوپ میں جدائی کی ایسا ہم کو لگتا ہے
موم کی طرح صاحب دم بہ دم پگھلتے ہیں

بے وفا کا وعدہ بھی کوئی سچا وعدہ ہے
وہ لباس کی صورت بات بھی بدلتے ہیں

جو رقیب ہے میرا اُس پہ مہرباں کیوں ہو
سائے کی طرح دُشمن میرے ساتھ چلتے ہیں

بتیاں بجھا ڈالو گُل کرو چراغوں کو
یاد کے دیئے یوسفؔ میرے دل میں جلتے ہیں

غزل

ظلم ظالم جو ڈھانے لگے
زلزلے پھر سے آنے لگے

وہ جو خوابوں میں آنے لگے
میری نیندیں اڑانے لگے

دوریاں ہم کو ڈسنے لگیں
فاصلے گل کھلانے لگے

ہم نے ساغر کو دیدی طلاق
وہ نظر سے پلانے لگے

پھر ہوائیں مہکنے لگیں
وہ غزل گنگنانے لگے

شکل میں اشک کی آنکھ میں
زخم دل جگمگانے لگے

○

دُکھ کا موسم بھی کٹ جائیگا
کیوں ترس آپ کھانے لگے

منزلیں پاس آنے لگیں
حوصلے کام آنے لگے

چوٹ دل پر ہمارے لگی
آپ کیوں مُسکرانے لگے

جب سے دل آیا اُس ناز پر
ناز اُسکے اُٹھانے لگے

بات سچ جو تھی میں نے کہی
پھر وہ آنکھیں دِکھانے لگے

بزم میں آگئی تازگی
شعر یوسفؔ سُنانے لگے

غزل

آنکھیں ہیں میری دوستو بے کل کئی دن سے
گلیوں میں نہیں آتا ہے پاگل کئی دن سے

آنکھوں میں شرارت ہے نہ بجلی سی چمک ہے
اُس نے جو لگایا نہیں کاجل کئی دن سے

لگتا ہے مجھے پھولوں کا موسم بڑا پھیکا
لہرایا نہیں کیوں ترا آنچل کئی دن سے

اس واسطے رُکتی نہیں ہچکی مری شاید
کرتا ہے کوئی یاد مُسلسل کئی دن سے

آتی ہی نہیں نیند اُس آرام طلب کو
خادم نے بچھایا نہیں مخمل کئی دن سے

دُنیا میں گناہوں کی جو بہتات ہوئی ہے
اس واسطے برسے نہیں بادل کئی دن سے

مغرور ہوا ساقیِ میخانہ جو یوسفؔ
میخانے میں دیکھی نہیں ہلچل کئی دن سے

غزل

مثلِ پروانہ اُسے رات میں جلتے دیکھا
عشق کی راہ میں کانٹوں پہ بھی چلتے دیکھا

پیار کی فصل کو جب پھولتے پھلتے دیکھا
غم کے احساس کو خوشیوں میں بدلتے دیکھا

زندگی لگنے لگی میری دھوئیں کی مانند
میں نے خوشحال مکانوں کو جو جلتے دیکھا

دل کی دُنیا میں اُداسی ہی اُداسی چھائی
اُسکی آنکھوں میں جو اشکوں کو مچلتے دیکھا

سیر گاہوں میں جہاں لوگ پھرا کرتے تھے
بم دھماکوں سے وہاں دل کو دہلتے دیکھا

لاکھ تدبیریں ہوئیں اُن کو مٹانے کے لئے
گھر میں فرعون کے موسیٰؑ کو بھی پلتے دیکھا

کتنا نادان ہے معصوم ہے یہ دل میرا
ایک مٹی کے کھلونے سے بہلتے دیکھا

اُنؐ کے ہاتھوں کی لکھی چٹھی جو رکھی اس نے
سوکھے دریا کو بھی لوگوں نے اُبلتے دیکھا

چشم گلشن سے ٹپکنے لگے آنسو یوسفؔ
گلِ رعنا کو جو پیروں سے مسلتے دیکھا

غزل

خاک کے پتلے کو جب خود آگہی ہونے لگی
خاک کے ذروں سے پیدا روشنی ہونے لگی

پیار میں اخلاص میں جب سے کمی ہونے لگی
محفلوں میں اس لئے اب بے دلی ہونے لگی

کوئی غازی اور مجاہد اب نظر آتا نہیں
مصلحت کے نام پر اب بزدلی ہونے لگی

کل تلک جنت نشاں تھی سرزمین ھند بھی
اب دھماکوں میں بسر یہ زندگی ہونے لگی

میں اسیر زلف ہوں میرا مداوا ہی نہیں
اُسکے سائے میں بسر اب زندگی ہونے لگی

اک عجب انداز سے نظروں سے نظریں یوں ملیں
بن پیئے ہی بس ہماری میکشی ہونے لگی

جب تصور آگیا جانِ غزل کا سامنے
اس لئے رنگین میری شاعری ہونے لگی

دید سے محروم ہیں آنکھیں زمانے سے مری
دل کی حالت بھی مری بے نور سی ہونے لگی

عہدِ نو کے نوجوانوں کی یہ حالت کیا کہیں
سامنے یوسفؔ بڑوں کے سرکشی ہونے لگی

غزل

کل عجب اک حادثہ ایسا ہوا
دل جو میرا تھا میاں اُسکا ہوا

رہزنوں کے درمیاں جھگڑا ہوا
ایک ھنگامہ ہوا اچھا ہوا

آدمی کا خون بہتا دیکھکر
خود سے ہر انسان شرمندہ ہوا

قطرہ سے تم پوچھ لو قطر ہے کیا
قطرہ سے قطرہ ملا دریا ہوا

کون عالم کون داتا ہے یہاں
خود کو جو سمجھا وہی داتا ہوا

کیا عجب انسان ہے روتا نہیں
غم کی بستی میں رہا ہنستا ہوا

O

کون قاتل ہے یہ سازش کس کی ہے
کہہ رہا ہے خون یہ بہتا ہوا

اک نظر میں ہار بیٹھا دل کو میں
کتنا آساں دل کا یہ سودا ہوا

ہنس رہے ہیں وہ بظاہر سامنے
آنکھ میں کاجل ہے کچھ پھیلا ہوا

دل ہی دل میں چاہتا ہوں میں اُسے
جانے کیوں یہ عشق کا چرچا ہوا

کون ہے دُنیا میں یوسفؔ باوفا
مجھکو ہر انساں سے دھوکا ہوا

غزل

آسمانوں پہ دوستی جائے
اور زمینوں سے دشمنی جائے

جھوٹی تحریر میٹ دی جائے
بات حق کی ہی بس لکھی جائے

مجھ کو مل جائے یا الٰہی وہ
میرے دل کی یہ بے کلی جائے

غم اٹھائے ہیں اتنے دنیا میں
بات غم کی نہ اب سنی جائے

نفرتیں پالنا نہیں دل میں
یہ ہے بیماری دائمی جائے

ہنس رہا ہے وہ بعد مدت کے
لب سے اُسکے نہ یہ ہنسی جائے

راز کی بات ہے جنوں میرا
بات یہ راز ہی رکھی جائے

زلزلے یونہی چپ نہیں آتے
ظلم کی جنگ روکدی جائے

اُن کی خواہش ہی ہے اگر یوسفؔ
مانگ تاروں سے ہی بھری جائے

غزل

غافل کبھی چمن سے اگر باغباں نہیں
صحنِ چمن میں پھر یہ سمجھ لو خزاں نہیں

سر پہ ہے سایہ ماں کی دُعاؤں کا رات دن
اس واسطے ہی فکر غم دو جہاں نہیں

اُسکا ہی ذکر اُسکی لگن اُسکی جستجو
میں کیا بتاؤں اُسکا کہیں بھی نشاں نہیں

چہرہ اُداس دل بھی ہے میرا بجھا بجھا
تاروں کی انجمن میں میری جان جاں نہیں

دے کر وہ خون اپنا اگا تا ہے کھتیاں
خوشحال پھر بھی دیش میں کوئی کِساں نہیں

خود غرضی آج اپنے زمانے میں عام ہے
اِس دور میں کسی پہ کوئی مہرباں نہیں

O

ہر کارواں کو رہتی ہے منزل کی جستجو
خود آگہی کے آگے کوئی کارواں نہیں

ہے جستجو کہ منزلِ جاناں کو پا سکوں
پیشِ نظر کبھی مرے سود و زیاں نہیں

محنت سے جو کماتا ہے مزدور رات دن
سر کو چھپانے اسکا ہی کوئی مکاں نہیں

ان کی تلاش میں میں اندھیرے میں چل پڑا
کیوں آسماں پہ آج کوئی کہکشاں نہیں

ان کے بغیر زندگی یوسفؔ گراں ہوئی
وہ ساتھ ہیں تو زندگی بارِ گراں نہیں

غزل

موجِ زلزلہ یوں تو دو گھڑی گزرتی ہے
موت کے شکنجے سے زندگی گزرتی ہے

چاند رات لگتی ہے اِسلئے ہمیں اچھی
تیرے جسم کو چُھوکر چاندنی گزرتی ہے

مسئلوں کے دامن میں اُلجھنوں کے سائے میں
صبح بھی گزرتی ہے شام بھی گزرتی ہے

تیرے گھر میں شیشے کے رات دن اُجالے ہیں
میرے گھر کے آنگن سے تیرگی گزرتی ہے

ہاتھ میں نہیں میرے جام و ساغر و مینا
میکدے سے آنکھوں کے میکشی گزرتی ہے

یاد جب بھی آتی ہے اک جلے ہوئے گھر کی
جانے کیوں مرے دل سے آگ سی گزرتی ہے

اب غزل کا پیکر بھی تابدار ہے یوسفؔ
اک نئے زمانے سے شاعری گزرتی ہے

غزل

سجا کے آنکھ میں تصویر ہو بہو رکھ لی
خیال و خواب میں اک شکل خو برو رکھ لی

وصالِ یار ہی مقصد مری حیات کا ہے
کہ ذہن و دل میں فقط اُسکی جستجو رکھ لی

بسالیا ہے یہ کیوں بغض اپنے سینے میں
یہ کیسی شئے میاں سینے میں فالتو رکھ لی

جتا سکا نہ کبھی پیار اپنے ہونٹوں سے
دبا کے سینے میں بس اُسکی آرزو رکھ لی

رواں ہے اشک کا دریا تمھاری آنکھوں سے
یہ تم نے کونسی آنکھوں میں آرزو رکھ لی

یہ بے رُخی یہ تغافل عذابِ جاں تھا مگر
"ترے کرم نے محبت کی آبرو رکھ لی"

نظر میں کوئی بھی جچتا نہیں ہے اے یوسف
بسا کے آنکھ میں بس جانِ آرزو رکھ لی

غزل

بے عمل نا کام ہوتا ہے تو دُنیا کیا کرے
ایک رُسوائے جہاں کو اور رُسوا کیا کرے

ضبطِ غم کتنا کریں کیسے کریں کب تک کریں
غم اگر حد سے زیادہ ہو تو چہرہ کیا کرے

حُسنِ یوسفؑ اک طرف دنیا کی دولت اک طرف
جو ہے لا قیمت تو کوئی اُسکا سودا کیا کرے

خوشبوئے زُلفِ بہاراں کی مہک کے سامنے
رات کی رانی چنبیلی اور موگرا کیا کرے

اک تماشا زندگی ہے بے وفا کے پیار میں
اور پھر اُس بے وفا کا جگ تماشا کیا کرے

شعر اچھا ہو تو اُسکو داد خود مل جائیگی
بھیک مانگیں جب قدآور تو یہ بونا کیا کرے

حُسن اُسکا دیکھ کر ہیں دم بخود یوسفؔ سبھی
چاندنی میں وہ نکل آئے تو چندا کیا کرے

غزل

غموں کی بھیڑ میں خوشیوں کا آسرا بھی ہے
ہمارے ساتھ مسائل کا قافلہ بھی ہے

وہ بے وفا سہی پر میرا ہمنوا بھی ہے
رہونگا ساتھ اسی کے یہ فیصلہ بھی ہے

کیوں اپنے عیبوں پہ اسکی نظر نہیں پڑتی
ہر ایک کربے میں اسکے تو آئینہ بھی ہے

ہمارے حال پہ ہر وقت ہے نظر اسکی
ہماری آنکھ سے اوجھل ہے دیکھتا بھی ہے

ہے اسکی میکشی اوروں کی میکشی سے الگ
وہ رند بھی ہے وہی شخص پارسا بھی ہے

وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتا تعجب ہے
مرے ہی بارے میں دن رات سوچتا بھی ہے

تلاش جسکی میں کرتا رہا سدا یوسف
وہ دلنشین بھی ہے اور دلربا بھی ہے

غزل

کرب یہ جدائی کا دوریاں سمجھتی ہیں
انتظار ہے کس کا کھڑکیاں سمجھتی ہیں

آسماں پہ چھائے ہیں کیوں گھنیرے بادل اب
زُلف کس نے کھولی ہیں بدلیاں سمجھتی ہیں

کاغذوں کے پھولوں پر تتلیاں نہیں آتیں
کون پھول کیسا ہے تتلیاں سمجھتی ہیں

روکھے سوکھے ٹکڑوں پر جو گزارا کرتے ہیں
بھوک کی حقیقت کو روٹیاں سمجھتی ہیں

اقتدار کی کُرسی آگ ہے جہنم کی
خون اس پہ کتنا ہے کُرسیاں سمجھتی ہیں

اے جہیز کے مارو تم سمجھ نہ پاؤ گے
باپ کی مصیبت کو بیٹیاں سمجھتی ہیں

بجلیاں چمکتی ہیں آسماں پہ یوسفؔ جی
کس پہ ان کو گرنا ہے بجلیاں سمجھتی ہیں

غزل

راہ کتنی ہے کٹھن اِس میں خطر تو دیکھو
منزلِ عشق کو پانے کی ڈگر تو دیکھو

ہم اسیر غم جاناں ہوئے کیسے کیونکر
اُن کی یہ شوخ نگاہی کا ہنر تو دیکھو

اجنبی ہم کو سمجھنے لگے احباب سبھی
ناشناسائی کے موسم کا اثر تو دیکھو

حاکم وقت کے آگے بھی وہ حق کہتا ہے
حوصلہ اُسکا یہ جذبہ یہ جگر تو دیکھو

بوجھ دستار کا کیسے تم اُٹھا پاؤ گے
ظرف کو جانچ لو اور اپنا یہ سر تو دیکھو

قتل کر دیتی ہیں دُزدیدہ نگاہیں اُنکی
کیسی قاتل ہے بھلا اُنکی نظر تو دیکھو

کب سے ہم ٹکٹکی باندھے ہوئے بیٹھے ہیں صنم
روٹھکر ہی سہی اک بار اِدھر تو دیکھو

اُن کے دیدوں میں محبت کی چمک ایسی ہے
بن گئیں پتلیاں اب لعل و گہر تو دیکھو

پیار اخلاص وفا گھر کی ہیں زینت میرے
مجھکو تم دیکھ چکے اب مرا گھر تو دیکھو

اتنی آساں بھی نہیں عشق کی منزل یوسف
فاصلہ دیکھو مسافت کا سفر تو دیکھو

غزل

حق گوئی بنا جینا بھی منظور نہیں ہے
گو شہر میں حق گوئی کا دستور نہیں ہے

مجبورِ وفا ہم ہیں جو دھوکہ نہیں دیتے
یوں اپنی طرح ہر کوئی مجبور نہیں ہے

مٹی کے مکاں میں بڑا خوشحال ہے وہ تو
محلوں کی فضاؤں میں وہ مسرور نہیں ہے

محنت کی برابر انھیں اجرت نہیں ملتی
خوشحال کوئی دیش میں مزدور نہیں ہے

یاد اسکی خیال اسکا حسیں موہنی صورت
اک پل بھی کبھی دل سے مرے دور نہیں ہے

دستور میں ترمیم کی کیوں اب ہے ضرورت
کیا موجودہ دستور یہ دستور نہیں ہے

ہم جانتے ہیں خود پہ بڑا ناز ہے اُسکو
یہ کس نے کہا وہ بڑا مغرور نہیں ہے

وہ خوگرِ غم ہے اُسے کیا کام خوشی سے
گھر کر بھی حوادث میں وہ رنجور نہیں ہے

تنگدستی ہماری ہے گوارا ہمیں یوسفؔ
روٹی یہ مگر مفت کی منظور نہیں ہے

غزل

گر اُڑان بھرنی ہے اپنے بال و پر رکھنا
اور ماں کے قدموں میں یہ جھکائے سر رکھنا

مدعا جو ہے اپنا کیسے وہ نہیں سنتا
مانگنا سلیقے سے اپنی چشم تر رکھنا

دل سے چاہتا ہوں میں کیوں یقیں نہیں کرتے
سامنے تمھارے کیا دل نکال کر رکھنا

اُڑتی اُڑتی سنتے ہیں وہ بھی آنے والے ہیں
کیا خبر وہ آجائیں تم سجائے گھر رکھنا

یہ ہرے بھرے منظر دل کو موہ لیتے ہیں
بارشوں کے موسم میں دل سنبھال کر رکھنا

بن بلائے پہنچا ہوں آج اُن کی محفل میں
رب نگاہ میں اُن کی مجھکو معتبر رکھنا

اِس جہاں کے میلے میں سب بھٹک ہی جاتے ہیں
اپنے دل میں یوسفؔ جی کچھ خدا کا ڈر رکھنا

غزل

گلوں کی طرح نکھرنا ہمیں نہیں آتا
نزاکتوں سے سنورنا ہمیں نہیں آتا

بہادری و شجاعت ہمارا ورثہ ہے
یوں بُزدلی سے تو مرنا ہمیں نہیں آتا

جو بات حق کی ہے دوٹوک بول دیتے ہیں
جفا پرستوں سے ڈرنا ہمیں نہیں آتا

یوں روکھی سوکھی سے ہی پیٹ اپنا بھر لیں گے
حرام روٹی کترنا ہمیں نہیں آتا

یہ بغض کی یہ حسد کی ہیں کھائیاں گہری
رقیبو! اِن میں اُترنا ہمیں نہیں آتا

ہزار مشکلیں سہہ کر وفا کے ساتھ رہے
جفا کے ساتھ گزرنا ہمیں نہیں آتا

بہت سے لوگ ہیں یوسفؔ جو دھوکا دیتے ہیں
کہ وعدہ کرکے مکرنا ہمیں نہیں آتا

غزل

ترے بن ہمیں شادمانی نہیں ہے
کوئی شام اپنی سہانی نہیں ہے

مرے شہر کا نام شہر محبت
یہاں ظلم کی حکمرانی نہیں ہے

بہائے ہیں آنسو جدائی میں اتنے
کٹوروں میں آنکھوں کے پانی نہیں ہے

بنائیں گے ہم آشیاں کہکشاں میں
یوں افسردہ دنیا بتائی نہیں ہے

لگائے ہیں مہندی وہ ہاتھوں میں لیکن
یہ رنگِ حنا ارغوانی نہیں ہے

○

بچاؤ بچاؤ حکومت کو اپنی
ابھی تک تو یہ زعفرانی نہیں ہے

مکاں روٹی کپڑے کا نعرہ ہی چھوڑو
گھروں میں ہمارے تو پانی نہیں ہے

وہ لفظوں سے لڑتے ہیں غصہ میں آکر
یہ شعر و سخن پہلوانی نہیں ہے

یہ ھندی وہ تلگو یہ ٹامل وہ اُردو
یہ کیا اپنا جھگڑا لِسانی نہیں ہے

غریبی مری آپ بیتی ہے یوسفؔ
کسی اور کی یہ کہانی نہیں ہے

غزل

لب کشائی نہ ہو اور نظر بولنا
ایسے ہوتے بھی ہیں باہنر بولنا

جنکا سایہ نہیں جنکا ثانی نہیں
اُنؐ کو کیسے بھلا ہم بشر بولنا

چاہے دارورسن سے گزرنا پڑے
بات حق کی سدا بے خطر بولنا

جسکو کھوٹے کھرے کی نہ پہچان ہو
اُسکو کیسے ہم اہلِ نظر بولنا

حق تو حق ہی ہے باطل ہے باطل میاں
کیسے ممکن ہے شب کو سحر بولنا

عزم محکم لئے راہِ حق پر چلو
چاہتے ہو کوئی معتبر بولنا

تلخ باتوں کا یوسفؔ زمانہ نہیں
بولنا جو بھی ہے سوچ کر بولنا

غزل

فسادیوں سے جو خالی جہاں ہو جاتا
ہمارا دیش بھی اک گلستاں ہو جاتا

لہو جلا کے میں اشعار اپنے گر لکھتا
تو میرؔ و سوداؔ سا میرا بیاں ہو جاتا

یہ انتشار سے اب دیش بن گیا دوزخ
جوایک ہوتے تو جنت نشاں ہو جاتا

اگر وہ حوصلہ اپنا بڑھا لیا ہوتا
زمیں پہ رہ کے بھی وہ آسماں ہو جاتا

اگر وہ خود کو مٹا دیتا دوسروں کے لئے
اسی کا شیدا یہ سارا جہاں ہو جاتا

جفا پرستوں کے سائے سے دور وہ رہتا
تو دشمنوں کے لئے اک چٹاں ہو جاتا

میں جان و دل سے اُسے چاہتا اگر یوسفؔ
تو اسکا نام ہی وردِ زباں ہو جاتا

غزل

ہر دم ہیں اُنکی یاد میں اُنکے خیال میں
ہم جی رہے ہیں صرف اُمیدِ وصال میں

بامِ عروج پر تو چمکتا ہے خوب وہ
سورج بھی زرد پڑتا ہے وقتِ زوال میں

ایماں کی بات ہے یہ صداقت کی بات ہے
برکت بڑی ہے دیکھئے رزقِ حلال میں

وہ دوست بن کے دشمنی کرتے رہے مگر
وہ کامیاب ہو نہ سکے اپنی چال میں

پہلے مشاعروں میں تو رہتی تھی ایک بھیڑ
دوچار لوگ آتے ہیں اب اردو ہال میں

O

کیسا یہ سلسلہ ہے سوالوں کا مجھ سے آج
پنہاں کئی سوال ہیں ایک اک سوال میں

زخمی ہوا ہے دل مرا اُن کی جفاؤں سے
پھر بھی بہت ہی مست ہوں میں اپنے حال میں

حُسن و جمال سے کبھی شیریں کلام سے
ہر اک کو پھانس لیتے ہیں وہ اپنے جال میں

یوں تو ہزاروں دیکھے ہیں یوسفؔ حسین ہم
اک کیفیت عجیب ہے اُن کے جمال میں

غزل

جو حسینوں کا حسیں اور خوبرو ہے دوستو
اُسکو پانے کی مجھے بس جستجو ہے دوستو

خواب میں دیکھی تھی اک صورت بڑی دلکش حسیں
شکلِ جاناں بس اُسی کے ہو بہو ہے دوستو

راستے پر جو قناعت کے چلے گا رات دن
ہر قدم پر زیست اُسکی سرخرو ہے دوستو

اُسکا دیوانہ ہوں اور اُسکی مرضی پر چلوں
میرے دل میں یہ ازل سے آرزو ہے دوستو

یہ بڑا بے باک ہے سب کچھ کھری کہتا ہے یہ
آئینے سے یہ ہماری گفتگو ہے دوستو

مئے کی مستی اور ہے آنکھوں کی مستی اور ہے
آنکھ اُسکی کیا ہے اک جام و سبُو ہے دوستو

اپنے پُرکھوں کی نشانی بیچنا ہرگز نہ تم
یہ تمھارے بزرگوں کی آبرو ہے دوستو

عزم محکم ہو تو پھر کیا چیز مشکل ہے جناب
یعنی ہر منزل تمھارے روبرو ہے دوستو

یہ شہیدوں کی بدولت جگمگا تا ہے وطن
رونقوں میں دیش کی کس کا لہو ہے دوستو

چاند جیسی شکل اُسکی اور غزالی آنکھ ہے
سب حسینوں سے وہ یوسف خوبرو ہے دوستو

غزل

ہم تو پی کر بھی کب بہکتے ہیں
آپ کو ہوش ہی میں تکتے ہیں

بتیاں گل کرو میرے گھر کی
ہم شبِ ہجر خود ہی جلتے ہیں

اُسکی پہچان ہوگئی مشکل
آستینوں میں سانپ پلتے ہیں

آنکھ سے دل میں وہ اُتر بیٹھے
اب کہاں دل سے وہ نکلتے ہیں

نظر آئیگی جو حقیقت ہے
آپ کیوں آئینے بدلتے ہیں

لاکھ تم چاہ سے اِسے پالو
سانپ تو زہر ہی اُگلتے ہیں

ہم کو دُنیا سے کیا غرض یوسفؔ
راہِ حق پر ہی ہم تو چلتے ہیں

غزل

ترچھی نظروں سے وہ گھائیل پھر ستم گر کر گیا
پڑ سکوں دُنیا میں میری کیوں وہ کانٹے بھر گیا

کچھ مُروّت کی نہ کچھ پاسِ وفا اُسکو رہا
اُس نے توڑا دل مرا الزام مجھ پر دھر گیا

بے وفا کو بھولنا بھی اب مرے بس میں نہیں
شوخ نظروں سے مجھے دیوانہ ایسا کر گیا

چھانتا ہوں عشق میں اُسکے میں صحراؤں کی خاک
چھوٹے سب احباب مجھ سے اور مرا یہ گھر گیا

مجھکو رسوائی ملی اُسکی محبت میں فقط
اُسکی خاطر زندگی میں زہر میری بھر گیا

رونقِ محفل تغافل کا نشانہ کیوں بنی
آنکھ میں آنسو لئے یوسفؔ تو اپنے گھر گیا

غزل

منہ سے گُل ہی نہیں شعلہ بھی نکل سکتا ہے
بغض کی آگ سے ماحول بھی جل سکتا ہے

وقتِ رُخصت جو تری آنکھ میں آنسو آئے
جانے والے کا ارادہ بھی بدل سکتا ہے

شوق پھولوں کو مسلنے کا ہے جس کے دل میں
پھر وہ کانٹوں کو بھلا کیسے مسل سکتا ہے

آج پھر ملنے کا وہ مجھ سے کیا ہے وعدہ
بے وفا ایک نئی چال بھی چل سکتا ہے

ہر قدم پھونک کے رکھیئے گا زرا صاحب جی
اپنے تیور سے زمانہ بھی بدل سکتا ہے

ہر کوئی حرص و ہوس کا یہاں لگتا ہے شکار
آگ میں حرص کی گلشن بھی تو جل سکتا ہے

آستینوں میں جو خنجر کو لئے پھرتے ہیں
دوست کے بھیس میں دشمن بھی نکل سکتا ہے

اپنے اشعار میں تم رنگِ نصیحت بھر دو
ایک بھٹکا ہوا انساں بھی سنبھل سکتا ہے

عزم راسخ ہو تو کیا چیز ہے پتھر یوسفؔ
موم کی طرح سے پتھر بھی پگھل سکتا ہے

غزل

ہے اُلفت بڑی بیکراں دوستو
منوّر اِسی سے جہاں دوستو

یہ اُلفت کے ہیں امتحاں دوستو
نہیں اِس میں سود و زیاں دوستو

بساؤ گے گر پیار کی بستیاں
یہ دُنیا بنے گُلستاں دوستو

اگر سر کٹے بھی تو کچھ غم نہیں
کرو بات حق کی بیاں دوستو

یہ اوروں کے دکھ پر بھی روتا ہے کیوں
یہ دل ہے بڑا مہرباں دوستو

میں ڈھونڈا بہت چار سو جا بجا
نہیں اُسکا کوئی نشاں دوستو

نظر بھر کے میں جس کو دیکھا نہیں
کروں حُسن کا کیا بیاں دوستو

عیاں میرے چہرے سے اُلفت ہوئی
چھپاؤں میں اِسکو کہاں دوستو

تخیل کے پرواز کی حد نہیں
یہ کیا چیز ہے کہکشاں دوستو

مرے ضبط کی انتہا ہوگئی
کہ لب پر نہ آئی فغاں دوستو

کسی خاص نسبت کی تاثیر ہے
یہ یوسفؔ کا حُسنِ بیاں دوستو

غزل

ہم دیوانے رات میں اکثر جاگا کرتے ہیں
یاد میں اُن کی تڑپ تڑپ کر رویا کرتے ہیں

چاندنی رات میں سونا آنگن ڈسنے لگتا ہے
پھر بھی آس کی کھڑکی سے ہم دیکھا کرتے ہیں

ہجر میں اُن کے میرا سراپا جلتا رہتا ہے
راحت کو ہم اُن کا دامن ڈھونڈا کرتے ہیں

فکر کا طوفاں زمین پہ جب بھی طاری ہوتا ہے
جھیل کنارے بیٹھ کے کنکر مارا کرتے ہیں

موسم گل کی آمد پر جھولے پڑتے ہیں جب بھی
پریت کے نغمے سکھیاں ملکر گایا کرتے ہیں

پاؤں میں جھانجر پہن کے جب بھی آتے ہیں وہ گلشن میں
اُن کے قدم سے پھول چمن کے نکھرا کرتے ہیں

دروازے پر دستک ہو تو دل کیوں دھڑکے ہے یوسفؔ
اُن کا تصور اُن کی ہی باتیں سوچا کرتے ہیں

غزل

وفا خلوص کا جو احترام کرتے ہیں
زمانے والے اُنہی کو سلام کرتے ہیں

اگر یہ جو روستم ہم پہ حد سے بڑھ جائے
تو ہم بھی تیغ و تبر بے نیام کرتے ہیں

جواب دیتے بھی کیا اور جفا پرستی کا
وفا کی رسم کو دُنیا میں عام کرتے ہیں

سنائی دیتا ہے کیوں نام اُن کا دھڑکن میں
ہمارے دل میں وہ شاید قیام کرتے ہیں

اب اُس مقام پہ پہنچے میں تیرے دیوانے
ترے فراق میں رو رو کے شام کرتے ہیں

غزل کے نام سے یوسفؔ شبِ فراق اکثر
سلگتے لمحوں میں اُن سے کلام کرتے ہیں

غزل

زندگی میں بہت دُکھ اُٹھا نا پڑا
زخم کھاکر مجھے مسکرانا پڑا

یہ جنونِ محبت کی سوغات ہے
ٹھوکریں در بدر ہم کو کھانا پڑا

پھول سے ہونٹ لہجہ بھی تھا شبنمی
اُن کو پلکوں پہ اپنی بٹھا نا پڑا

لمس ایسا مری روح میں بس گیا
اپنی آنکھوں میں اُسکو بسا نا پڑا

بحرِ ظلمات میں چاندنی رات میں
اپنے نادان دل کو منانا پڑا

دل کے ہاتھوں ہوئے ایسے مجبور ہم
بن بلائے وہاں ہم کو جانا پڑا

بزمِ یاراں میں یوسفؔ جو دشمن ملے
ہاتھ اُن سے بھی مجھکو ملا نا پڑا

غزل

مری آنکھوں کی بینائی بڑھا دینا وہ جب آئے
الٰہی درد دل میرا جگا دینا وہ جب آئے

دل و جاں سے میں اُن کو چاہتا ہوں یہ حقیقت ہے
مرے جذبوں کو تھوڑی سی ہوا دینا وہ جب آئے

محبت ہے اگر اک جرم تو یہ جرم ہونے دو
مجھے تم بارہا اِسکی سزا دینا وہ جب آئے

سنا ہے آنے والے ہیں وہ میرے آج کوچہ میں
بہاروں کو ذرا تم پھر صدا دینا وہ جب آئے

نظر میں شوخیاں لب پر تبسم چال مستانہ
جنونِ شوق تم اپنا بڑھا دینا وہ جب آئے

حواس و ہوش تو اُڑتے ہیں یوسفؔ دیکھکر اُن کو
خودی کو سامنے اُن کے مٹا دینا وہ جب آئے

غزل

بے وفا کو آزمانا چاہیئے
غم چھپا کر مسکرانا چاہیئے

زندگی سے دل لگانا چاہیئے
پیار کی دُنیا بسانا چاہیئے

توڑنے کافی ہے اک لمحہ مگر
جوڑنے کو اک زمانہ چاہیئے

آسماں کو چھونا کچھ مشکل نہیں
حوصلے اپنے بڑھانا چاہیئے

کوئی ہندو ہو کہ مسلم یا ہو سکھ
سب کو سینے سے لگانا چاہیئے

نفرتوں کی تیرگی چھا جائے تو
پیار کا دیپک جلانا چاہیئے

مضطرب دل کو سکوں ملنے لگے
اک نگاہِ کافرانہ چاہیئے

O

روح کا رشتہ ہے جیسا جسم سے
ویسا تم سے دوستانہ چاہیۓ

زخمِ دل میرا زرا بھرنے لگا
پھر اداۓ قاتلانہ چاہیۓ

ٹوٹ کر بھی چاہنا ہے اک سزا
کیا اُسے سولی چڑھانا چاہیۓ

کیوں پھر آنکھیں لڑ رہی ہیں آپ سے
میکشی کو اک بہانہ چاہیۓ

بھولنے کی بات ہوتی بھولتا
کیسے اُن کو بھول جانا چاہیۓ

روٹھ کر بیٹھے ہیں یوسفؔ جی وہاں
اُن کو کیسے بھی منانا چاہیۓ

غزل

میں ساری عمر غم کو چھپانے میں رہ گیا
وہ بے وفا تو مجھکو ستانے میں رہ گیا

دل میں کسی کے جھانک کر دیکھا نہیں کبھی
میں دوستوں سے ہاتھ ملانے میں رہ گیا

تحریر اُن کی دل سے مٹائی نہ جاسکی
اُن کے خطوط میں تو جلانے میں رہ گیا

پلکوں پہ وہ تو مجھکو بٹھایا نہیں کبھی
راہوں میں میری پھول بچھانے میں رہ گیا

وہ کامیاب ہوتے گئے اپنی چال میں
میں تہمتوں سے خود کو بچانے میں رہ گیا

امن و اماں کی بات وہ سوچا نہیں کبھی
دہشت گری وہ اپنی دِکھانے میں رہ گیا

اقوام کا نہ دیش کا اُسکو رہا خیال
یوسف وہ زر زمین کمانے میں رہ گیا

غزل

کچھ وفا کا مری صلہ دیتے
زخم دل ہی سہی نیا دیتے

اُن کے ماتھے کی میں شکن بنتا
میرے خط وہ اگر جلا دیتے

اُن کا کیا جاتا میرے حق میں وہ
ہاتھ اُٹھاتے مجھے دُعا دیتے

اُن کی آنکھوں کا نور بن جا تا
وہ اگر مجھکو حوصلہ دیتے

تیری اُلفت کا پاس ہے ورنہ
آئینہ تجھ کو ہم دِکھا دیتے

وہ اگر اک اِشارہ کر جاتے
مانگ تاروں سے ہم سجا دیتے

سر خرو ہوتا آپ کا **یوسف**
اُسکو جلوہ اگر دِکھا دیتے

غزل

تاروں سے اپنی بزم کو اب ہم سجائے ہیں
وہ کہکشاں لباس میں تشریف لائے ہیں

زلفیں اُڑیں تو جھوم کے بادل برس پڑے
عارض کی روشنی سے چمن جگمگائے ہیں

تیرے بدن کی خوشبوئیں پھیلی ہیں چار سو
کلیاں چٹک گئی ہیں تو گل مُسکرائے ہیں

سینے کا درد چہرے سے ظاہر نہ ہو سکا
صدمے ہزار سہہ کے بھی ہم مُسکرائے ہیں

اک سانس بھی نہ آئی تری یاد کے بغیر
برسوں ترے فراق میں رو رو بِتائے ہیں

کل تک بھی میں کھٹکتا تھا جنکی نگاہ میں
کیوں آج راہ میں وہ مری گل بچھائے ہیں

اک عمر سے ترستی ہیں آنکھیں بھی دید کو
یوسف ترے فراق میں دریا بہائے ہیں

غزل

روز ازل سے ہم کبھی اُن سے خفا نہ تھے
"ہم تلخئ کلام پہ مائیل زرا نہ تھے"

تقویٰ نماز نیک عمل سیدھا راستہ
حرص و ہوس کی آگ میں ہم مبتلا نہ تھے

حیرت ہے کیسے ڈوب گیا آنسوؤں کا چاند
دامن سے یار کے کبھی ہم تو جُدا نہ تھے

ہم نے کھری کھری جو کہی اُن کے روبرو
وہ خوش ہوئے کہ پہلے کبھی ہم خفا نہ تھے

آنکھوں سے سب کی اشکِ ندامت نکل پڑے
ہم تو گناہ گار تھے کچھ پارسا نہ تھے

شاطر کلامی اُن کی بڑی پُر اثر رہی
یوسفؔ تمھارے تیر بھی بے ذایقہ نہ تھے

غزل

آپ نے سر پھرے دیوانوں کو سمجھا کیا ہے
ہم نے فولاد کو پگھلا دیا شیشہ کیا ہے

ڈال کر آنکھوں میں آنکھیں تو اگر دے ساقی
"زہر پی لونگا ترے ہاتھ سے صہبا کیا ہے"

نام لکھ لکھ کے مٹا دیتا ہے پھر لکھتا ہے
یاد میں ڈوب کے اُنکی کوئی کرتا کیا ہے

ہم نے یہ بزم سجائی ہے اُنہی کی خاطر
وہ نہیں آئے تو پھر بزم میں رکھا کیا ہے

مار مجنوں کو لگے درد سے لیلیٰ تڑپے
لیلیٰ مجنوں کے روابط کا یہ قصّہ کیا ہے

O

چیر کر رکھدیا کہساروں کا سینہ میں نے
غیر ہموار مرے آگے یہ رستہ کیا ہے

تیری جانب وہ کبھی مڑ کے نہیں دیکھے گا
اتنی حسرت سے اُسے بار ہا تکتا کیا ہے

میری دانش میں تو یہ بات کبھی کھل نہ سکی
دل کا ہر حال میں اب درد سے رشتہ کیا ہے

اِنکساری ہے طبعت میں تو ایسا نہ سمجھ
یہ تو ممکن نہیں بِک جاؤں میں سمجھا کیا ہے

اہلِ دل ہوتے نہیں طالب دُنیا یوسفؔ
عشق میں جاں بھی لٹا دیتے ہیں دُنیا کیا ہے

غزل

غم ہستی کے دیوانے بہت ہیں
یہاں تو جانے پہچانے بہت ہیں

اگر اسکی ادا ہے شمع جیسی
تو بے شک اس کے پروانے بہت ہیں

وہ پتھر ہاتھ میں لیکر کھڑا ہے
جہاں میں آئینہ خانے بہت ہیں

یہ سوز غم تڑپ یہ سرد آہیں
دلِ مضطر کو بہلانے بہت ہیں

محبت حوصلہ ایمانداری
مقدر اپنا چمکانے بہت ہیں

تبسم شوخیاں دلکش ادائیں
کسی بھی دل کو بہکانے بہت ہیں

خدا حافظ جنونِ دل کا یوسف
گلستاں کم ہیں ویرانے بہت ہیں

غزل

ہو کا عالم تھا فقط خلقِ خُدا سے پہلے
"خاک سے آب سے آتش سے ہوا سے پہلے"

میری حساس نگاہوں نے یہ منظر دیکھا
اُڑ گیا رنگِ شفق رنگِ حنا سے پہلے

ہم بڑے شوق سے سہتے ہیں جفائیں اُنکی
یوں جفا ملتی ہے ہر قت وفا سے پہلے

نبض پر ہاتھ بھی رکھدیں وہ اگر شفقت سے
لمس تریاق بنے اُن کا دوا سے پہلے

پتہ پتہ بھی وضو کرتا ہے شبنم سے یہاں
تم بھی دل پاک کرو حمد و ثنا سے پہلے

پھول بن کر وہ مہک جاتی ہے ڈالی ڈالی
مُسکراتی ہے کلی جب بھی فنا سے پہلے

میں نے سوچا ہی نہ تھا ایسا بھی ہوگا یوسؔف
زیر پا ہوگی بقا اپنی فنا سے پہلے

غزل

وہ جب بھی ہم سے ملتے ہیں تو ہم یہ جان لیتے ہیں
خوشی اور غم میں گہرا رابطہ ہے مان لیتے ہیں

بچانا اپنی ہستی کو حسینوں کی نگاہوں سے
کبھی ہنس کر کبھی روکر وہ اپنی جان لیتے ہیں

نوازش پہ جب آتے ہیں تو ایسے کام کرتے ہیں
صدف دیتے ہمیں ہیں اور خود مرجان لیتے ہیں

ہمارے ذہن و دل میں اُن کی ہی تصویر رہتی ہے
چھپیں وہ لاکھ پردوں میں اُنھیں پہچان لیتے ہیں

جنونِ شوق گر زادِ سفر ہو تو یہ ممکن ہے
سرِ منزل ہی دم لیں گے یہ دل میں ٹھان لیتے ہیں

ہماری بات کا کچھ پاس ہی تم کو نہیں لیکن
تمھاری ہر انوکھی بات کو ہم مان لیتے ہیں

زمانے کی نگاہوں میں ذلیل و خوار وہ ٹھہرے
جو اپنی فکر پر ظلمت کی چادر تان لیتے ہیں

ادا اُسکی کرم اُسکا نظر اُسکی بھرم اُسکا
وہ منواتے ہیں سب کو اور خود بھی مان لیتے ہیں

نظر نیچی ادا قاتل تبسم زیر لب یوسفؔ
وہ کیا احسان کرتے ہیں ہماری جان لیتے ہیں

غزل

عجب تھا پیراہن اُن کا جہاں سے
نظر آنے لگے وہ کہکشاں سے

مری محنت ٹھکانے اب لگی ہے
نظر آتے ہیں اب وہ مہرباں سے

یہ اُلفت لفظ ہے مانند شیریں
زرا کہہ کر تو دیکھو تم زباں سے

یہ شوخی یہ نزاکت پھول جیسی
چرالائے ہو تم کیا گُلستاں سے

ترے ادنیٰ اِشارے کے عوض ہی
ستارے توڑ لاؤں آسماں سے

خلوص و پیار اور مہر و وفا سب
یہ چیزیں اُٹھ گئی ہیں اس جہاں سے

یہ درد دل یہ اُلفت چیز کیا ہے
زرا تم پوچھ لو یوسفؔ میاں سے

غزل

مجھ پہ جب چشمِ عنایت آپ کی ہونے لگی
دور میرے دل کی ہر اک بے کلی ہونے لگی

جلوہ گاہ دل میں جب سے روشنی ہونے لگی
اپنی ہستی کی مجھے اب آگہی ہونے لگی

مصلحت کے نام پر دین و دھرم بکنے لگے
حق پرستوں کی زمانے میں کمی ہونے لگی

اے جنونِ شوق اُن کے پاس پہنچا دے مجھے
بر ملا طاری خودی پر بے خودی ہونے لگی

زندگی کی بانسری بجتی رہی سُر میں مگر
وہ خفا ہوتے ہی ہر لئے بے سُری ہونے لگی

گو پلائی تھی ہمیں اُس نے شراب غم مگر
کیوں نہ جانے غم میں شامل تشنگی ہونے لگی

اُن کی آنکھوں کے مقابل جام جم کیا چیز ہے
بن پیئے یوسفؔ ہماری میکشی ہونے لگی

غزل

باقی رہے نہ صدق و صفا آدمی کے پاس
اب کچھ نہ رہا جو د و سخا آدمی کے پاس

اُسکا پتہ ہی خود نہ رہا آدمی کے پاس
پھر کیا بچا ہے مجھکو بتا آدمی کے پاس

حق کے لئے وہ دار و رسن سے گزر گیا
لیکن رہی نہ حق کی صدا آدمی کے پاس

خود غرضیوں کے ہاتھ کئی گھر اُجڑ گئے
شرما رہا ہے حرفِ وفا آدمی کے پاس

جو بچ رہا تھا وقت نے وہ بھی لٹا دیا
تہذیبِ نو نے کچھ نہ رکھا آدمی کے پاس

اخلاص پیار مہر و وفا اب کہیں نہیں
بتلائے کون کیا ہے بچا آدمی کے پاس

یوسفؔ گرہ میں باندھ لو یہ بات بھی مری
باقی رہے گی صرف دُعا آدمی کے پاس

غزل

میں ہوں بے فکر فکر کیا ہے مجھے
شوق منزل رَسا ملا ہے مجھے

میں وہ قطرہ ہوں قطرۂ نایاب
خود سمندر بھی ڈھونڈ تا ہے مجھے

گردشِ وقت دے اگر مہلت
اپنے بارے میں سوچنا ہے مجھے

جب قدم میرے لڑکھڑا تے ہیں
کوئی اندر سے ٹوکتا ہے مجھے

چل پڑا ہوں میں جانب منزل
روک لے کون روکتا ہے مجھے

۵

کیا میں گزار ہوا زمانہ ہوں
کیوں تو دن رات سوچتا ہے مجھے

تو وفا کر کہ بے وفائی کر
تیرا منظور فیصلہ ہے مجھے

غم کے طوفان میں مُسکراتا ہوں
غم سے لڑنے کا حوصلہ ہے مجھے

سوزِ دل سازِ زندگی یوسفؔ
عشق میں کیا نہ کچھ ملا ہے مجھے

آئینے کے روبرو ہے چاند سا چہرہ ترا
چاندنی میں بس نہا کر آئینہ دیکھا کریں

اہل دُنیا کی نظر میں مرتبہ بڑھ جائیگا
یوں انا اپنی مٹا کر آئینہ دیکھا کریں

آئینہ حیران ہے خود اُن کا جلوہ دیکھکر
یوں کبھی نہ سج سجا کر آئینہ دیکھا کریں

کیوں اندھیرا چھا گیا آج یوسفؔ جی یہاں
پیار کی شمعیں جلا کر آئینہ دیکھا کریں

غزل

شرم کی چلمن ہٹا کر آئینہ دیکھا کریں
آئینے سے دل لگا کر آئینہ دیکھا کریں

آئینہ خانے میں رہ کر بھی سنور پائے نہ جو
آئینہ سے دور جاکر آئینہ دیکھا کریں

آئینے سے پوچھ لیجے آئینہ گونگا نہیں
خود کو آئینہ بنا کر آئینہ دیکھا کریں

جنکا جلوہ دیکھکر ہم مرمٹے اُن سے کہو
بجلیاں خود پر گرا کر آئینہ دیکھا کریں

نفرتوں کے پتھروں سے آئینہ ہے چور چور
دل میں اُلفت کو جگا کر آئینہ دیکھا کریں

نظم

میری اُردو زباں میری اُردو زباں
فخر ہندوستاں میری اُردو زباں

سب زبانوں کی جاں میری اُردو زباں
ہے یہ سحرالبیاں میری اُردو زباں
رونقِ کہکشاں میری اُردو زباں
محفلوں کی زباں میری اُردو زباں

میری اُردو زباں میری اُردو زباں
فخرِ ہندوستاں میری اُردو زباں

زندہ باد ایک نعرہ بھی اس نے دیا
لیڈروں کو سہارا بھی اِس نے دیا
ڈوبتوں کو کنارا بھی اس نے دیا
جوش و جذبہ کا دھارا بھی اس نے دیا

O

بزم میں سج کے آتی ہے اُردو زباں
سب کے ہی فن کو بھاتی ہے اُردو زباں
نغمہ اُلفت کا گاتی ہے اُردو زباں
اور سدا مسکراتی ہے اُردو زباں

میری اُردو زباں میری اُردو زباں
فخر اُردو زباں میری اُردو زباں

یہ محبت اخوت کا ہے اک نشاں
صنف شعرو سخن کا ہے یہ گلستاں
اس پہ شیدا ہوا ہے یہ سارا جہاں
کیوں نہ ہو فخر یوسف کو اس پر میاں

بٹوارے کا زخم

کیا کبھی یاد میری تجھکو نہیں آتی ہے

اب بہاریں بھی خزاں بار ہوئی ہیں میری
گرم سانسیں بھی گراں بار ہوئی میری
صحنِ گلزار میں اب جی نہیں لگتا میرا
شہر و بازار میں اب جی نہیں لگتا میرا

کیا کبھی یاد میری تجھکو نہیں آتی ہے

چھوڑ کے دِلّی نئی دنیا بسالی تونے
سیج کانٹوں بھری خود اپنی سجالی تو نے
ہجر کی دھوپ میں جلتے ہیں تجھے کیا معلوم
موم کی طرح پگھلتے ہیں تجھے کیا معلوم

کیا کبھی یاد میری تجھکو نہیں آتی ہے

میری آنکھوں میں ابھی تازہ ہیں جلوے تیرے
میرے کمرے میں مہکتے ہیں اُجالے تیرے
چاندنی رات میں ارمان مچل جاتے ہیں
آنکھ سے اشک کے دریا بھی اُبل جاتے ہیں

کیا کبھی یاد میری تجھکو نہیں آتی ہے

ملک تقسیم نہ ہوتا نہ یہ جھگڑا ہوتا
کسی مندر کا نہ مسجد کا تقاضا ہوتا
سرحدیں توڑ کے ہم آؤ گلے مل جائیں
دُشمنی چھوڑ کے ہم آؤ گلے مل جائیں

114
3-2001

کیا کبھی یاد میری تجھکو نہیں آتی ہے
عشق والوں کے لئے سرحدیں بے معنی ہیں
اِن اُجالوں کے لئے سرحدیں بے معنی ہیں
پیار کے ساز پہ ہم گیت وفا کے گائیں
نغمۂ امن بھی دُنیا کو سُناتے جائیں

کیا کبھی یاد میری تجھکو نہیں آتی ہے